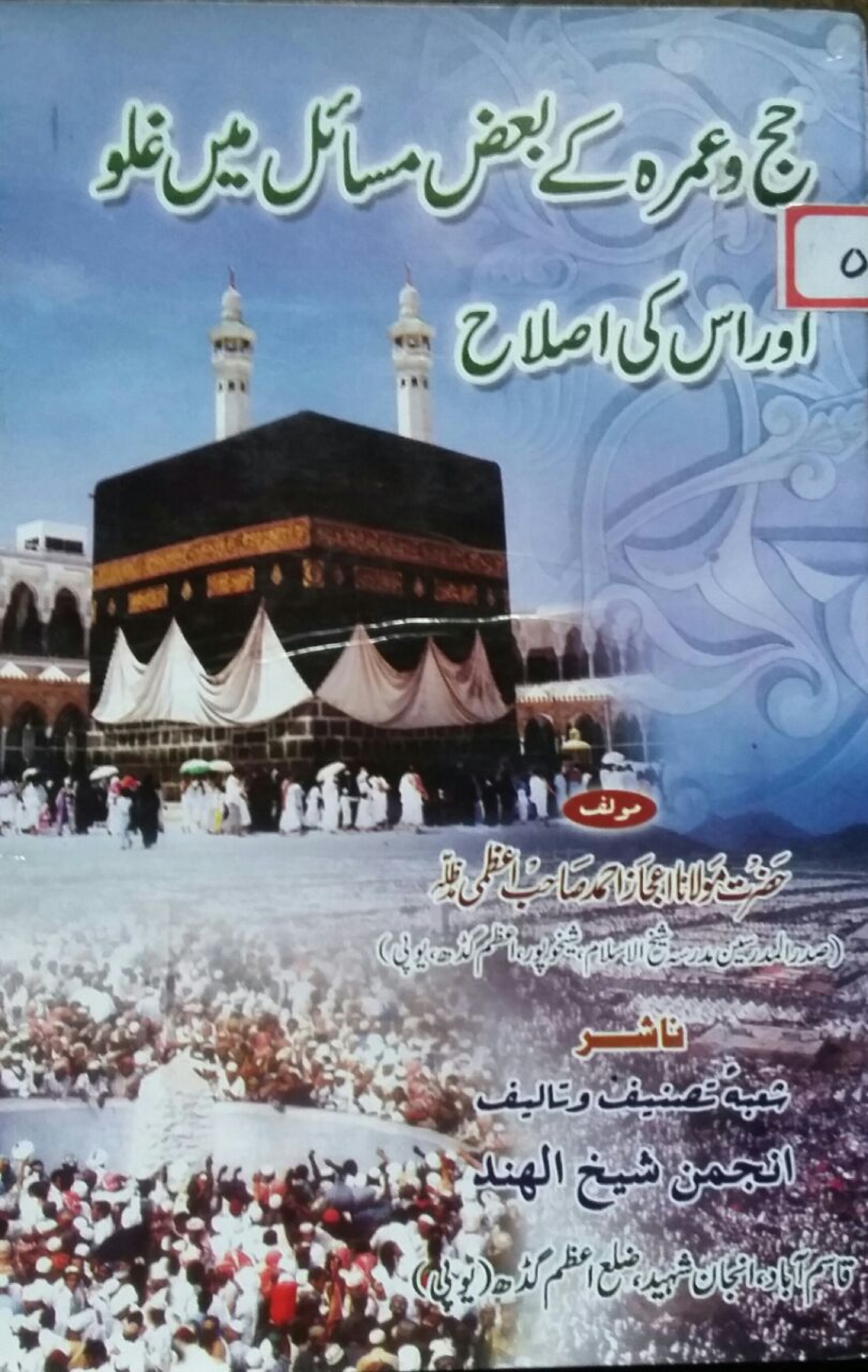

حج و عمرہ کے بعض مسائل میں غلو
اور اس کی اصلاح

٥

مولف

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی ظلہ

(صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڈھ، یوپی)

ناشر
شعبۂ تصنیف و تالیف
انجمن شیخ الہند
قاسم آباد، انجان شہید، ضلع اعظم گڈھ (یوپی)

حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو
اور اس کی اصلاح

مولف

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی
(صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڈھ، یوپی)

ناشر

شعبۂ تصنیف وتالیف

انجمن شیخ الهند

قاسم آباد، انجان شہید، ضلع اعظم گڈھ (یوپی)

تفصیلات

نام کتاب............حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح

مترجم .... مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

ناشر .... انجمن شیخ الہند، قاسم آباد، انجان شہید، اعظم گڈھ

باہتمام .... مولانا فرقان بدر قاسمی و برادران سلمہم الرحمٰن

صفحات 88

قیمت ....

سنہ طباعت............ اکتوبر ۲۰۰۸ء

ای میل: zeyaulhaquekbd@gmail.com

ملنے کا پتہ:

☆ مدرسہ شیخ الہند، قاسم آباد، انجان شہید، اعظم گڈھ (یوپی)

☆ مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد ضلع مئو یوپی 9235327576

☆ فرید بک ڈپو پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲

☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئوناتھ بھنجن 9236761926

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

پیش لفظ	مولانا اعجاز احمد اعظمی	۴

☆☆☆☆☆☆☆☆

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	فریضۂ حج کے چند اختلافی مسائل	۱۰
۲	منیٰ وعرفات میں نمازوں کا قصر	۲۰
۳	عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنا	۳۴
۴	مناسک حج میں ترتیب کا مسئلہ	۴۰
۵	نماز فجر اور نماز عصر کے بعد طواف کا مسئلہ	۵۳
۶	مکہ مکرمہ میں رہ کر عمرہ کی تکرار	۶۰
۷	رمی جمرات کا وقت	۷۳
۸	النفر الاول، ۱۲؍ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ مکرمہ جانا	۸۱

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﷽

پیش لفظ

حج وعمرہ اسلام کی اہم ترین عبادات میں ہے، دین کی پانچ بنیادوں میں ایک بنیاد حج ہے، حج آدمی پر زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہوتا ہے، اسلام کی دوسری چار بنیادیں وہ ہیں جنھیں انسان مقامی طور پر ادا کرلیتا ہے۔ نماز ہو، زکوٰۃ ہو، روزہ ہو، کسی کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں ہے، ہاں ان کے لئے وقت متعین ہے، نماز ہر روز پانچ مرتبہ ہے، روزہ سال میں ایک ماہ، زکوٰۃ سال میں ایک ہی مرتبہ فرض ہوتی ہے، کلمۂ توحید زمان ومکان دونوں سے آزاد ہے۔ صرف حج ایسی عبادت ہے جس میں زمان بھی متعین ہے، جگہ بھی مقرر ہے، اوراس کی ہیئت یعنی لباس بھی متعین ہے، دوسری عبادتیں مفرد ہیں، لیکن حج کئی اعمال سے مرکب ہے، اوراس کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہتا ہے، اس اعتبار سے حج کی ایک انفرادی شان ہے، حق تعالیٰ نے آسانی فرمائی کہ تمام زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض کیا، لیکن مسلمان چاہے دنیا کے جس خطے میں ہو، اگر اسے اس خاص جگہ تک پہونچنے کی استطاعت ہے اور موانع موجود نہیں ہیں، تو زندگی میں ایک بار اس جگہ پہونچنا اور حج کی عبادت بجالانا فرض ہے۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی بار حج کیا ہے، اوراس اعلان کے ساتھ کیا ہے: **لتاخذوا مناسككم فانى لاأدرى لعلى لاأحج بعد حجتى هٰذه** (مسلم شریف، حدیث: ۱۲۹۷) مجھ سے حج سیکھ لو، میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد میں حج نہ کرسکوں، چنانچہ ہزاروں صحابہ نے آپ سے حج کرنا سیکھا، اوراس طریقہ کوامت کی جانب

منتقل کیا، علماء نے اس طریقے کو کتابوں میں محفوظ کیا، پھر آپ کے ارشادات اور آپ کے طریقۂ عمل میں لوگوں نے اجتہاد و استنباط سے کام لیا، انسانی کاوشوں میں اور ان کے نتائج میں یکسانیت ہو، ہو بہو اتحاد ہو، یہ ممکن نہیں، چنانچہ روایتوں کے تعدد و تنوع اور راویوں کی کثرت اور فہم و اجتہاد کے تفاوت کے نتیجے میں پانچ دن کے متعدد اعمال میں جزئی اعتبار سے کچھ نہ کچھ تنوع اور گونا گونی پائی جاتی ہے، اس تنوع کو اختلاف سے تعبیر کر لیجئے، یا گونا گونی سے، ہے یہ بہر حال ایک فطری چیز، ہر دور میں اسے امت نے اپنے لئے باعث رحمت سمجھا ہے، ظرف میں وسعت اور حوصلے میں بلندی ہو، تو اصول و بنیاد میں متحد ہونے کے بعد فروع کا یہ اختلاف کچھ مضر نہیں ہوتا، کسی مسئلہ میں ائمہ کا مختلف ہونا گراں نہیں گزرتا۔

لیکن طبیعتوں میں جب پستی آتی ہے، اور حوصلہ تنگ ہو جاتا ہے، تو یہ اختلافات بہت بھیانک دکھائی دینے لگتے ہیں، اور پست طبیعت والا جتنا بھیانک انھیں دیکھتا ہے، چاہتا ہے کہ دوسروں کو اس سے زیادہ بھیانک دکھائے۔ پھر وہ اختلاف کے نتیجے میں ضد وعناد اور عداوت مول لیتا ہے، اور اس عداوت وعناد کو دعوت اتحاد کے خوش نما نعرے کے ساتھ پیش کرتا ہے، پھر اس مزاج کے لوگ عام لوگوں کے درمیان سے کٹ کٹ کر اس نعرے کے پیچھے چل پڑتے ہیں، اور ایک نیا جدلی گروپ تیار ہو جاتا ہے۔

حج کے عظیم اجتماع میں چونکہ ساری دنیا کے مسلمان اکٹھا ہوتے ہیں، حنفی بھی، شافعی بھی، مالکی بھی اور حنبلی بھی، اور سب کو ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے اور آپس میں ملنے کا موقع ملتا ہے، اور مسائل بھی پیش آتے ہی رہتے ہیں، سب اپنے اپنے طریقے پر فروعات وجزئیات پر عمل کرتے رہتے ہیں، اصول وکلیات میں تو کوئی اختلاف ہوتا نہیں۔ حج کے لئے احرام سب باندھتے ہیں، اور احرام کا طریقہ بھی سب کے نزدیک ایک ہی ہے،

حج کے تین طریقے افراد، تمتع، قران میں بھی سب متحد ہیں۔ ۸/ ذی الحجہ کو سب لوگ منیٰ پہونچتے ہیں، ۹/ کو سب عرفات میں حاضری دیتے ہیں، اسی دن رات میں پورا مجمع مزدلفہ میں منتقل ہوجاتا ہے، ۱۰/ کو جمرۂ عقبہ کی رمی سب کرتے ہیں، طواف زیارت سب کرتے ہیں، سر کا حلق یا قصر سب اس میں متفق ہیں، قربانی جس پر واجب ہے سب کرتے ہیں، اس کے بعد ۱۱/ ۱۲/ کو تینوں جمرات کی رمی میں سب یکساں ہیں، ہاں ان سب اعمال وارکان کی ترکیب وتشکیل کے بعض بعض اجزاء باہم قدرے مختلف ہوتے ہیں، تو جس نے اپنے اساتذہ وائمہ سے جیسا سیکھا ہے، اس پر عمل کرتا ہے، اس میں کسی کو کسی سے تعرض نہیں، اصول میں متحد ہونے کے بعد کچھ کچھ اجزاء میں اختلاف، اختلاف نہیں تنوع ہے۔

لیکن شری اور دنی طبیعتیں انھیں تنوعات کو اصولی مسئلہ بنا کر فتنہ پیدا کرنے میں لطف محسوس کرتی ہیں، چنانچہ اس طرح کی طبیعتوں اور مزاجوں کا ایک پورا گروہ ہے، جو حاجیوں کے درمیان مصروفِ عمل رہتا ہے، اور انتشار پیدا کرتا رہتا ہے۔ مسجد نبوی شریف میں عورتوں کے درمیان عورتوں کا گروہ عملی کام کرتا رہتا ہے، جنت البقیع میں بھی اس طرح کے لوگ تقریریں کرتے رہتے ہیں، آدمی بقیع جاتا ہے، وہاں مدفون صحابہ کرام کو یاد کرکے، ان کی قبریں دیکھ کر، بالخصوص شہید مظلوم حضرت عثمان بن عفان ﷺ کی قبر پر پہونچ کر بے ساختہ دل متاثر ہوتا ہے، مگر عین اسی وقت کچھ لوگوں کی کرخت آوازیں سارے تاثر کو برباد کردیتی ہیں۔

پچھلے سال ۲۰۰۸ء کے حج میں، منیٰ میں ۱۱/ ذی الحجہ کو حجاج خیموں میں باوضو بیٹھے فجر کے وقت کا انتظار کررہے تھے، اتنے میں ایک صاحب خیمے میں داخل ہوئے اور یہ کہہ کر کہ ابھی اذان میں دس منٹ باقی ہیں، تقریر شروع کردی، تقریر کا حاصل یہ تھا کہ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں امام چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھاتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ وہ

مسافر ہوتا ہے، یہ غلط ہے، وہ حرم کا امام ہوتا ہے، اور حج کے دنوں میں ظہر، عصر اور عشاء دو ہی رکعت پڑھاتا ہے، ان دنوں میں دو ہی رکعت نماز ہے، میں نے دیکھا کہ یہ خاموش رہنے کا موقع نہیں ہے، ابھی یہ شخص خیمہ والوں کو دو فرقوں میں تقسیم کر دے گا، میں نے باآواز بلند کہا کہ یہاں سب حنفی ہیں، اور احناف کے نزدیک مسافر کے علاوہ کسی کو قصر کی جازت نہیں، اس لئے اس مسئلے کو یہاں مت چھیڑیئے، وہ مصر ہوئے کہ میں بھی حنفی ہوں، اور حقیقت بیان کرنا چاہتا ہوں، میں نے پکارا آپ کو حقیقت کی کچھ خبر نہیں ہے، خاموش بیٹھ جایئے، وہ بار بار دہراتے رہے کہ میری بات تو سن لیجئے، اب کچھ اور لوگ بھی کہنے لگے کہ سن لیجئے، میں نے کہا سننے کی ضرورت تو نہیں ہے، تاہم سنایئے، فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری حج میں قصر کیا تھا، میں نے کہا مسافرت کی وجہ سے آپ نے قصر کیا تھا، بولے کہ آپ کے پیچھے تمام لوگ مسافر نہ تھے، سب نے قصر کیا، اور آپ نے کسی سے نہیں فرمایا کہ تم لوگ اپنی نمازیں پوری کرلو، میں نے پکار کر کہا کہ یہ بات آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں کہ سب نے قصر کیا تھا، حدیث میں تو یہ نہیں ہے، باتوں کو خلط نہ کیجئے، اس پر سب لوگوں نے کہا کہ اب آپ خاموش ہو جایئے، میں نے کہا آپ لوگوں کو شک وشبہ اور مغالطہ میں نہ ڈالئے، وہ چپکے بیٹھ گئے، اور نماز کے بعد آہستگی سے نکل گئے، میں نے نماز کے بعد مسئلہ کی وضاحت کی، اور لوگ مطمئن ہوئے۔

میدان عرفات میں اس سے زیادہ سخت دردناک بلکہ حسرتناک منظر دیکھا، وقوف عرفہ ہی تو اصل حج ہے، اس وقوف کی روح دعاء وتضرع، انابت الی اللہ، اعتراف گناہ، استغفار، ذکر الٰہی اور مسلسل اللہ کی جانب متوجہ رہنا ہے، زندگی میں یہ سنہرا موقع مل گیا ہے، بعد میں خدا جانے نصیب ہو یا نہ ہو، اور وقت بھی بہت قلیل ہے، زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک، لیکن دیکھا کہ اختلاف کی چنگاری کو ہوا دینے والا جرگہ وہاں بھی

مصروفِ کار ہے، لوگوں کو اس مسئلہ میں الجھا رکھا ہے کہ خیموں میں ظہر وعصر کی نماز اکٹھی پڑھی جائے یا علیحدہ علیحدہ ان کے اوقات پر؟ جو لوگ دونوں کو الگ الگ ان کے وقت پر پڑھتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں، لوگ بجائے اس کے کہ تضرع وانابت میں لگیں، فضول بحثوں اور جدل واختلاف میں پڑکر وقت بھی اور قلب بھی برباد کر رہے تھے، میں تو دم بخود تھا، میرے دوست مفتی عبدالرحمٰن صاحب ایک شخص کو سمجھا رہے تھے کہ یہ وقت اور یہ جگہ بحث ومباحثہ کی نہیں، میری طبیعت مکدر ومتوحش ہو رہی تھی۔

یہ ایک منظر نہیں ہے، زیادہ تر خیموں میں یہ کشمکش بپا رہا کرتی ہے، حج سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ کے طویل قیام میں اس طرح کے متعدد واقعات سننے کو ملے، کوئی عمرہ کے احرام کے لئے مسجد عائشہ جانے کو بدعت قرار دیتا ہے، کوئی قربانی کے مسئلے میں انتشار پھیلاتا ہے، یہ سب ہوتا ہے، مگر جن مسلّم منکرات کا ارتکاب امت کے اجتماعی معاشرے میں ہوتا رہتا ہے، اسے کوئی نہیں ٹوکتا ہے، داڑھی منڈانا عالم اسلام میں عام ہے، مگر اسے کوئی خطیب حرم بھی نہیں چھیڑتا، عورتیں بے محابا کھلے چہروں گھومتی رہتی ہیں، مردوں کے درمیان گھسی رہتی ہیں، طواف میں دھکے دیتی اور دھکے کھاتی پھرتی ہیں، مگر اس پر کسی کی زبان نہیں کھلتی، بہت سے لوگ بے تکلف کعبۂ مقدسہ کی جانب پیر پھیلا کر بے ادبی سے بیٹھے اور لیٹے رہتے ہیں، مگر جیسے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کتنے مسجد کے اندر زمزم کے پانی سے وضو کرتے رہتے ہیں، مگر وہ روا، تنگی ہے تو اس میں کہ مسجد عائشہ سے احرام باندھ کر عمرہ کیوں کیا، منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں چار رکعت والی نماز چار رکعت کیوں پڑھ لی، عرفات میں خیموں کے اندر ظہر وعصر ان کے اوقات میں کیوں پڑھی؟

ان حالات میں بہت سے نوجوان علماء کہتے رہے کہ حج وعمرہ کے ان مسائل پر جنھیں بعض لوگ نشانہ بنائے رہتے ہیں، کچھ تحقیقی مضامین آجانے چاہئیں، کئی سال پہلے

بھی اس کا ذکر ہوا تھا، مگر میری طبیعت کو مختلف فیہ مسائل میں پڑنے سے دلچسپی نہیں ہے، لیکن کئی بار مجھے خود اس تکلیف میں گرفتار ہونا پڑا، تو خیال ہوا کہ ان مسائل کا مفصل مطالعہ کر لینا چاہئے، تا کہ اپنی طبیعت تو مطمئن رہے، اور بوقت ضرورت دوسروں کو بھی مطمئن کیا جا سکے، جب مطالعہ کو سوچا تو حاصل مطالعہ لکھنے کی بھی بات ذہن میں آئی، چنانچہ پڑھتا گیا اور حاصل مطالعہ لکھتا گیا۔

میں نے اس سلسلۂ مضامین میں کسی مسلک کی ترجیح کے لئے دلائل نہیں مہیا کئے ہیں، میں خود حنفی ہوں، اور ظاہر ہے کہ اس کی ترجیح کی طرف میلان رکھتا ہوں، لیکن میں چاروں ائمہ فقہ کو برحق، مخلص اور مجتہد سمجھتا ہوں، اور ہر ایک کے مسائل کو قرآن وسنت سے موید پاتا ہوں، اس لئے میں ہر مسلک والے کو درست سمجھتا ہوں، ان چاروں سے خروج کو درست نہیں سمجھتا، ان چاروں کو چھوڑ کر علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کے تفردات اور ان کے انفرادی اجتہادات کی تقلید کو جائز نہیں جانتا، اور جو ان کی انفرادی رایوں کو وحی الٰہی سمجھ کر تقلید اعمیٰ میں مبتلا ہیں، انھیں اہل سنت والجماعت کے زمرے میں نہیں شمار کرتا، میرا روئے سخن انھیں مقلدین اعمیٰ کی جانب ہے، میں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ چاروں ائمہ فقہ سے وہ لوگ خروج کر کے ایک نئی بات نکالتے ہیں، وہ غلط کار ہیں، صاحب ہویٰ ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور تمام اہل اسلام کو حق وصداقت کی پیروی کی توفیق دیں، اور خلاف وشقاق سے محفوظ رکھیں۔

أللٰهم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه وصلی الله علیٰ خير خلقه سيدنا محمدٍ وآله وصحبه أجمعين۔

اعجاز احمد اعظمی

۲۶؍ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ شیخوپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فریضۂ حج کے چند اختلافی مسائل اور ان میں غلو

تمہید

فروعی واجتہادی مسائل کے اندر اختلاف عہد رسالت ہی سے چلا آرہا ہے، اس کو مٹانا اور ختم کرنا ممکن بھی نہیں ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے اس کو گوارا فرمایا ہے، اب اس بات کی کوشش کرنا کہ سب کو ایک ہی نقطۂ اتحاد پر جمع کردیا جائے، امت کو دشواری اور انتشار میں ڈالنا ہے۔ چنانچہ اس کا بڑا مظاہرہ حج کے موقع پر ہوتا ہے، جب سعودی عرب کی سرزمین پر اترتے ہی مختلف قسم کی تحریریں اور پمفلٹ حجاج کو دئے جاتے ہیں، اور تقریروں کے ذریعہ بھی ان کو باور کرایا جاتا ہے کہ حج کا جو طریقہ ہم نے بتایا ہے صرف وہی صحیح ہے، باقی سب غلط ہے، جبکہ حجاج پوری اسلامی دنیا کے ہر خطے سے آتے ہیں، اور ہر مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس صورتحال سے سے وہ سخت دشواری میں پڑجاتے ہیں، اور اس مہم میں سال بہ سال شدت پیدا ہورہی ہے۔ امسال کے حج کے دوران استاذ محترم مدظلہٗ نے اس شدت کو زیادہ محسوس کیا، اور حج کے بعد ہی سے ارادہ تھا کہ ان مسائل پر تفصیلی کلام کریں اور اس سلسلہ میں جمہور امت کا جو نقطۂ نظر ہے، اسے پیش کریں۔ یہ حصہ اصل مضمون کی تمہید ہے، اس کے بعد ان تمام مسائل پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔ انشاء اللہ

(ضیاء الحق خیرآبادی)

کیا مسائل فقہیہ میں پوری امت کو ایک نقطۂ اتحاد پر جمع کرنا ممکن ہے؟

مشہور محدث حضرت قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ نے ترتیب المدارک میں سیّدنا امام مالک علیہ الرحمہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:

> ”میں خلیفہ عباسی ابوجعفر منصور کے پاس طلوعِ آفتاب کے وقت پہونچا، بادشاہ تخت سے اتر کر زمین پر آبیٹھے، اور مجھ سے کہا کہ آپ ہر خیر کے مستحق ہیں، اور ہر اکرام کے لائق ہیں،، پھر وہ مجھ سے سوالات کرتے رہے، یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہوگئی، پھر مجھ سے کہا کہ آپ سب سے بڑے عالم ہیں، میں نے کہا واللہ! ایسا نہیں ہے، اے امیر المومنین! انھوں نے کہا کیوں نہیں، ایسا ہی ہے، لیکن آپ چھپا رہے ہیں۔
>
> اے ابوعبداللہ! لوگوں کے لئے چند کتابیں مرتب کیجئے، اور ان میں معتدل احکام لکھئے، اور وہ باتیں قلمبند کیجئے جن پر صحابہ اور امت کا اتفاق ہے، ان کے مرتب ہونے تک اگر میں زندہ رہا تو میں آپ کی یہ کتابیں سونے کے پانی سے لکھواؤں گا، اور لوگوں کو قانوناً بزور حکومت ان کا پابند کروں گا۔
>
> میں نے کہا! اے امیر المومنین، ایسا نہ کیجئے گا، کیونکہ لوگوں کے پاس باتیں پہونچ چکی ہیں، احادیث کی روایات ہورہی ہیں، مختلف روایتیں ان کے یہاں جاری ہیں، اور ہر قوم ان باتوں پر عمل کررہی ہے، اور انھیں مان رہی ہے، جو اس تک پہونچ چکی ہیں، اور ان باتوں میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باہم مختلف ہیں، تو ان کے اعتقادات

> سے انھیں ہٹانا، بہت سخت کام ہے، لوگ جیسے عمل کر رہے ہیں، انھیں پر رہنے دیجئے، جس شہر کے لوگوں نے جو اختیار کر رکھا ہے، اسی پر برقرار رکھئے۔ خلیفہ نے کہا، قسم ہے، اگر آپ میری موافقت کرتے تو میں ایسا کر لیتا۔ (**مقدمہ التعلیق الممجد** از شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ، ص: ۱۳۰، بحوالہ **ترتیب المدارک**، ج: ۲، ص: ۱۷/۷۳)

خلیفہ عباسی منصور کے مشورے سے امام مالک علیہ الرحمہ نے موطا مرتب کرنی شروع کی، لیکن اس کی تکمیل سے پہلے منصور کا انتقال ہو گیا، منصور کے بیٹے مہدی کے دورِ خلافت میں اس کی تکمیل ہوئی، اور خلیفہ ہارون رشید نے اپنے بیٹوں امین و مامون کے ہمراہ امام مالک سے اس کی سماعت کی، پھر ہارون رشید نے امام مالک سے بطور مشورہ عرض کیا، یہ مشورہ امام ابونعیم اصفہانی نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے، امام صاحب سے عبداللہ بن حکم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ:

> ''ہارون رشید نے مجھ سے مشورہ لیا کہ موطا کو خانۂ کعبہ پر آویزاں کر دیا جائے، لوگوں کو حکم دے دیا جائے کہ اس پر عمل کریں، میں نے کہا امیر المومنین! ایسا نہ کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب فروعات میں مختلف طریقہ پر عمل پیرا ہیں، اور وہ لوگ مختلف علاقوں میں پھیل چکے ہیں، اور ہر ایک اپنے نزدیک حق وصواب پر ہے (اگر لوگوں کو ایک طریقے پر لانا چاہیں گے تو انتشار وافتراق ہوگا) ج: ۶، ص: ۳۶۲

اور اسی طرح کا ایک معاملہ حلیۃ الاولیاء میں حضرت ابومسہر کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، یہ واقعہ مامون الرشید کے متعلق ہے، حضرت ابومسہر فرماتے ہیں:

> ''مامون الرشید نے حضرت امام مالک علیہ الرحمہ سے پوچھا کہ آپ کے پاس مکان ہے؟ فرمایا کہ نہیں، اس نے آپ کو تین ہزار دینار دئے کہ مکان خرید لیجئے، پھر مامون نے اٹھنے کا ارادہ کیا، تو اس نے امام مالک سے کہا کہ ہمارے ساتھ آپ تشریف لے چلئے، میرا ارادہ ہے کہ لوگوں کو موطا پر عمل کرنے کا قانوناً حکم دوں، جس

> طرح حضرت عثمان ؓ نے قرآن پاک کے ایک نسخے کا سب کو پابند کردیا تھا۔
> اس پر امام مالک نے فرمایا کہ آپ کے لئے اس کام کی بالکل گنجائش نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد آپ کے اصحاب مختلف شہروں میں پھیل گئے تھے، اور وہاں انھوں نے حدیثیں بیان کی ہیں، تو ہر شہر والے کے پاس ایک علم ہے۔
> (ص:۳۶۱)

ملاحظہ ہو! ایک امام مالک علیہ الرحمہ سے تین تین بادشاہ اجازت مانگ رہے ہیں کہ ان کی کتاب موطا کو اسلامی مملکت کے لئے فروعی مسائل میں قانونی کتاب بنادیا جائے، جس طرح امیر المومنین حضرت عثمان غنی ؓ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن کریم کی تلاوت میں اختلاف دیکھ کر، لغت قریش کے مطابق جس پر قرآن کریم کا نزول ہوا تھا، نسخہ تیار کراکے اس کی نقلیں تمام بلاد وامصار میں بھیج دی تھیں، اور سب کو پابند کردیا تھا کہ اسی نسخے کے مطابق تلاوت کی جائے، چنانچہ اس کے بعد سے ساری امت اسی نسخے پر متفق ہے، اسی طرح اگر مؤطا کو بزور حکومت قانوناً تمام امت اسلامیہ کے لئے لازم کردیا جائے تو امت میں اتفاق کی شکل پیدا ہوجائے گی۔

بظاہر یہ رائے بہت خوشنما تھی، اور اگر امام مالک علیہ الرحمہ کے اندر ذرا بھی نفسانیت کا لوث ہوتا، تو بہت خوش ہوتے کہ ان کی کتاب قرآن ثانی بن جائے گی، اور تمام لوگ ان کے پیرو ہوجائیں گے، مگر حق تعالیٰ نے انھیں جو بصیرت، نبوت کی معرفت، نبی ﷺ کی مزاج شناسی عطا فرمائی تھی، اس کی روشنی میں انھوں نے جو جواب عنایت فرمایا، وہ امت مسلمہ کے مجتہدین وعلماء کے لئے قیامت تک کے لئے ایک رہنما اصول ہے، اور جس کو حضرات صحابہ ؓ کے حالات اور ان کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے معاملات کا، نیز انسانی معاشرہ اور طبائع کے تنوع اور گونا گونی کا ذرا بھی علم ہوگا، نیز وہ قرآن وسنت کی حکمتوں کا علم

رکھتا ہوگا، اس کیلئے اس جواب کی روشنی میں فقہ اسلامی کے تمام اختلافات کو حل کرنا آسان ہوگا، ورنہ عموماً خود پرست اور تنگ نظر لوگ، علماء کے اختلافات کا نام لے لے کر عامة الناس کو انتشار میں مبتلا کرتے رہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ دین وشریعت کے بنیادی اور اصولی احکام جو قرآن کی نص قطعی اور سنت متواترہ سے ثابت ہیں، ان میں تو اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے، زمانۂ رسالت سے آج تک ان پر اتفاق واجماع چلا آرہا ہے، اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، آج تک کسی نے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا، قرآن کی ہر آیت حق تعالیٰ کا کلام ہے، اسے سب مانتے ہیں، حج کے مقامات مسجد حرام، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات ہیں، اس میں کس کو تردد ہے؟ نماز پانچ وقت کی فرض ہے، فرض نمازوں کی رکعتیں متعین ہیں، ہر ایک نماز کے اوقات متعین ہیں، ان میں کس کو اختلاف ہے؟ روزہ رمضان کے مہینہ میں فرض ہے، زکوٰۃ صاحب ثروت پر فرض ہے، اور سال بھر میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے، اس میں کون چون وچرا کرسکتا ہے؟

لیکن جو احکام نص قطعی سے ثابت نہیں ہیں، اور نہ ان کا ثبوت سنت متواترہ سے ہے، وہ فروعی مسائل ہیں، ان کا ثبوت احادیث رسول ﷺ سے، جو چند ایک راویوں کے واسطے سے ہم تک پہونچی ہیں جنھیں خبر واحد کہا جاتا ہے، یا ان کا تعلق انسانی اجتہاد سے ہے، ان میں اختلاف وتنوع کی بہت گنجائش ہے، اسلامی احکام میں جو اختلاف نظر آتا ہے وہ انھیں فروعی مسائل میں ہے، اور اس کا آغاز دورِ نبوت ہی سے ہو چکا تھا، ان اجتہادی یا خبر واحد کی بنیاد پر اختلافی مسائل کو خود رسول اللہ ﷺ نے گوارا فرمایا ہے، اور ایک کے اجتہاد کو دوسرے پر مسلط نہیں فرمایا ہے، احادیث کی کتابوں میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہی ہے کہ ممالک اسلامیہ کے

تمام شہروں اور مراکز میں حضرات صحابہ پہونچے ہیں، ان کی صحبت میں ان کے تلامذہ تیار ہوئے ہیں، انھوں نے جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سیکھا اور سنا ہے، وہی اپنے تلامذہ کو سکھایا اور سنایا ہے، اس طرح ہر شہر میں فروعی احکام کی شکلیں متعین ہو چکی ہیں، ان پر لوگوں کا عمل جاری ہو چکا ہے، اب اگر ایک موطا سب پر نافذ کی جائے، تو ضروری نہیں کہ ہر شہر میں یہی روایات پہونچی ہوں، بلکہ یہ یقینی ہے کہ مختلف روایتیں اور مختلف اجتہادات رواج پا چکے ہیں، اور فی نفسہ وہ بھی صحیح ہیں، اور جو لوگ ان پر عمل پیرا ہیں، ان کے اعتقاد میں تو وہ بالکل درست ہیں، پھر جب موطا کے ذریعے سے دوسری طرح کی روایات اور اجتہادات پہونچیں گے تو انھیں اپنا سابقہ عمل چھوڑنا پڑے گا، بلکہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ اب تک جو کچھ اور جس شکل میں بجالاتے رہے ہیں، شاید وہ غلط تھا۔ ظاہر ہے اس سے نہ صرف فکری انتشار پیدا ہوگا، بلکہ ان فروعی مسائل کی وجہ سے خانہ جنگی ہونے کا امکان ہے، پس ہر ایک کو اس کی روایت اور اس کے اجتہاد پر باقی رکھا جائے، وہ عملاً مختلف رہیں، لیکن علماً یہ گمان رکھیں کہ اصولی اعمال کی عملی تشکیلات سب برحق ہیں، اور حق تعالیٰ کی جانب سے ان فروعی احکام میں لچک اور گنجائش رکھی گئی ہے، اس لئے کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو مجبور کرے کہ وہ اپنے طریقۂ عمل کو چھوڑ دے اور اسے غلط سمجھے، اور خواہی نخواہی دوسرے طریقے پر آئے۔

امت میں یہ اختلافی مسائل ابتداء سے رہے ہیں، اور امت کو ان مسائل میں رواداری کی تعلیم دی گئی ہے، کتابوں میں، اور درس میں روایتی اور درایتی طریقے سے علماء واصحاب درس ترجیحات کو بیان کرتے رہے ہیں، لیکن ساتھ ساتھ یہ رواداری بھی سکھاتے رہے ہیں کہ ممکن ہے ہم سے غلطی ہو رہی ہو، اور درست بات وہی ہو جو دوسرا کہہ رہا ہے، اس طرح کوئی کسی کو باطل اور غلط نہیں قرار دیتا۔

ان فروعی مسائل میں چار مذاہب بہت معروف، اور ان کی فقہ مدون ہے، علمی بحثیں ان کے درمیان رہی ہیں، مگر کسی نے کسی کی تفسیق و تضلیل نہیں کی ہے، مسجد حرام میں بھی عرصۂ دراز تک چار مصلے رہے ہیں، لیکن آپس میں لڑنے بھڑنے کی کوئی شہادت تاریخ میں نہیں ہے۔

لیکن جب سے ایک نومولود فرقہ غیر مقلدوں کا جو اتباع حدیث کے عنوان سے ابھرا ہے، اس کی ساری کوشش یہ ہے کہ اپنے علاوہ سب کو غلط کار اور گمراہ قرار دے، یہ فرقہ وہی چاہتا ہے جس کا تذکرہ منصور، ہارون رشید اور مامون رشید نے کیا تھا، لیکن امام مالک علیہ الرحمہ نے اسے رد کر دیا تھا، کہ سب کو اس ایک طریقہ کا پابند کر دے، جس پر یہ فرقہ ہے، لیکن اس طرزِ عمل سے بجائے اتفاق پیدا ہونے کے اختلاف وافتراق بڑھتا ہے، جہاں ان مسالک کے حلقے الگ الگ ہیں، وہاں تو اس اختلاف اور افتراق کا اثر کم ظاہر ہوتا، لیکن جہاں یہ فرقہ دوسروں کے ساتھ خلط ملط ہے، وہاں روزانہ الجھنیں رہتی ہیں، ذہنی وفکری انتشار رہتا ہے، بلکہ سر پھٹول تک ہوتی ہے۔

حج میں چونکہ سارے عالم کے حجاج جمع ہوتے ہیں، ان میں زیادہ تر حنفی، پھر شافعی، پھر مالکی اور اخیر میں حنبلی ہوتے ہیں، اور ہر شخص اپنے اپنے دیار سے حج کے طریقے اور مسائل سیکھ کر آتا ہے، پھر ہر جگہ کے علماء بھی ہوتے ہیں، اور سب اپنے اپنے طریقے پر حج کے اعمال بجالاتے ہیں، مسائل بتاتے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں، لیکن غیر مقلدین کا ٹولہ اپنے مسائل کو زبردستی سب پر تھوپنا چاہتا ہے، نجدی حکومت اور نجدی علماء چونکہ غیر مقلدیت کا شکار ہیں گو کہ وہ اپنے کو حنبلی کہتے ہیں، مگر بزعم خویش وہ بھی اہل حدیث ہی ہیں، لیکن حدیث وقرآن کے سمجھنے میں فہم وخرد کے لحاظ سے یتیم و مسکین ہیں، وہ بھی مسجد حرام کے اسٹیج سے جب کچھ بیان کرتے ہیں تو انداز وہی جارحانہ ہوتا ہے، کہ سب غلط، ہم

جو کہتے ہیں وہی درست ہے، اس طرز عمل سے حاجیوں میں بہت انتشار رہتا ہے، اور جو لوگ کسب معاش کے سلسلے میں سعودیہ عربیہ میں اقامت گزیں ہیں، وہ اس ٹولہ کے جلد شکار ہوتے ہیں، کیونکہ روزی کا مسئلہ انھیں سے متعلق ہوتا ہے، اس لئے وہ آنکھ بند کر کے ان کی جانب ڈھلک جاتے ہیں، حج کے سفر میں ایسے لوگ بہت دیکھے جاتے ہیں، جو علم تو کچھ نہیں رکھتے، مگر غیر مقلدین کی سن سن کر انھیں کی لے میں راگ الاپتے ہیں۔

اس مضمون میں ہم حج کے دوران پیش آنے والے کچھ مسائل کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، جن پر کچھ لوگ اکثر اختلاف کرتے اور تقریر کرتے پائے جاتے ہیں، یہ چند مسائل ہیں:

(۱) منیٰ وعرفات میں نمازوں کے قصر مسئلہ۔

(۲) عرفات میں ظہر اور عصر کو جمع کر کے ظہر کے وقت میں پڑھنا۔

(۳) رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب کا مسئلہ۔

(۴) حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونا۔

(۵) ۱۲؍ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد منیٰ سے مکہ جانا۔

(۶) ۱۱؍۱۲؍ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کرنا۔

ان مسائل میں اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ لوگ حاجیوں کو الٹا سیدھا سمجھاتے رہتے ہیں، اس سے حاجی پریشان ہوتے ہیں، اور وہ اپنے علماء سے بدگمان ہو کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

ہم اپنے اس مضمون میں چاروں ائمہ فقہ کے مسائل کے درمیان ترجیحات کی بحث نہیں چھیڑیں گے، صرف ان کے مسائل کو ذکر کر کے یہ گزارش کریں گے کہ ہر مسلک والے اپنے مسلک کے مطابق مسائل پر عمل پیرا ہوں، ان کے علاوہ جو لوگ علیٰحدہ، ان

چاروں مسالک سے الگ اپنی ناقص سمجھ لوگوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں، ان سے احتراز کریں، اور حج جیسی اہم عبادت میں ان اختلافات کی الجھنوں میں پڑ کر اس کی روح کو برباد نہ کریں، یہ چاروں ائمہ اہل سنت کے پیشوا ہیں، چاروں برحق ہیں، متبع سنت ہیں، ساری امت کا ان پر مدت دراز سے اتفاق چلا آرہا ہے، اور جو لوگ ان کے خلاف جھنڈا اٹھائے ہیں، وہ اہل سنت سے خارج ہیں، دلائل کے نام پر جو حدیثیں وہ پیش کرتے ہیں، ان میں ان کی ناقص فہم کا دخل زیادہ ہوتا ہے، پس چاہئے کہ لوگ دھوکہ میں نہ آئیں۔

◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منیٰ وعرفات میں نمازوں کا قصر

قال اللہ تعالیٰ:

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور جب تم سفر میں نکلو اور تمھیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں کسی مصیبت میں مبتلا کر دیں گے، تو تم پر کچھ گناہ نہیں، اگر نماز میں سے کچھ کم کر دو۔ (سورۃ النساء:۱۰۱)

☆☆☆☆☆☆☆

حججت معه واعتمرت فصلىٰ ركعتين ثم قال: يا أهل مكة! أتموا الصلوٰة فإنا قوم سفر، ثم حججت مع أبى بكر واعتمرت فصلىٰ ركعتين ثم قال: يا أهل مكة! أتموا الصلوٰة فإنا قوم سفر، ثم حججت مع عمر واعتمرت فصلىٰ ركعتين ركعتين ثم قال: يا أهل مكة! أتموا الصلوٰة فإنا قوم سفر ثم حججت مع عثمان واعتمرت فصلىٰ ركعتين ركعتين، ثم إن عثمان أتم ﷺ۔

(حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ) (السنن الکبریٰ للبیہقی، ج:۳، ص:۱۹۴)

میں نے آپ کے ہمراہ حج وعمرہ کیا، اس میں بھی آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: اے اہل مکہ اپنی نماز پوری کرلو، ہم مسافر ہیں، پھر میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں حج وعمرہ کیا، انھوں نے بھی دو دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: اے اہل مکہ اپنی نماز پوری کرلو، ہم مسافر ہیں، پھر میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج وعمرہ کیا، انھوں نے بھی دو دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: اے اہل مکہ اپنی نماز پوری کرلو، ہم مسافر ہیں، پھر میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج وعمرہ کیا، انھوں نے بھی دو دو رکعتیں پڑھیں، پھر انھوں نے نمازیں پوری پوری پڑھیں۔

(۱) منیٰ وعرفات میں نمازوں کا قصر

ہر مسلمان جانتا ہے، کہ سفر کی حالت میں چار رکعت والے فرائض یعنی ظہر، عصر اور عشاء، دو رکعت ہو جاتے ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُم جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الْصَّلوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اور جب تم سفر میں نکلو اور تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا کر دیں گے، تو تم پر کچھ گناہ نہیں، اگر نماز میں سے کچھ کم کر دو۔ (سورۃ النساء:۱۰۱)

نماز میں کتنا کم کرنا ہے، یہ سنت اور امت کے تعامل سے ثابت ہے، کہ چار رکعت والی نمازوں میں دو رکعت کم کر دی جائے گی، اور دو اور تین رکعتوں میں کچھ کمی نہ کی جائے گی، سفر میں قصر کا یہ مسئلہ ساری امت میں مسلّم ہے، لیکن کیا سفر کے علاوہ بھی کبھی قصر کا جواز ہے؟ اس کا جواب جمہور امت کے نزدیک یہ ہے کہ سفر کے علاوہ، بیماری ہو، خوف ہو، عجلت ہو، کسی حالت میں قصر نہیں ہے، صرف امام مالک علیہ الرحمہ کی جانب یہ مسئلہ منسوب ہے کہ ان کے نزدیک سفر کے علاوہ مناسک حج کی ادائیگی کے ایام میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بطور حج کی ایک عبادت کے نمازوں کا قصر ہے، اس نسبت کی تحقیق آئندہ اسی مضمون میں ان شاء اللہ آئے گی، ان کے علاوہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک، قصر کا تعلق حج کی عبادت سے نہیں بلکہ سفر سے ہے، اگر حاجی مسافر ہے، تو قصر کرے گا، ورنہ نہیں، اور امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی یہ قصر واجب نہیں ہے، بلکہ مسنون ہے۔

چنانچہ **الفقه علی المذاهب الاربعة** میں عبدالرحمٰن جزیری نے امام مالک علیہ الرحمہ کا مسلک نقل کیا ہے کہ **وأما سننه فهي اولا............ ثالثاً قصر الظهر والعصر المذكورين لغير اهل عرفة وأما هم هم لايقصرون** (ج:۱،ص:۶۲۹) وقوف عرفہ میں حج کی تیسری سنت یہ ہے کہ ظہر اور عصر میں قصر کرے، لیکن یہ قصر ان لوگوں کیلئے ہے، جو عرفات کے رہنے والے نہ ہوں، اور اگر حاجی وہیں کا رہنے والا ہو تو وہ قصر نہ کرے گا۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں، اول یہ کہ وقوف عرفہ میں ظہر اور عصر کی قصر سنت ہے، دوسرے یہ کہ یہ سنت بھی عرفاتی باشندوں کے لئے نہیں ہے، باہر سے آنے والوں کے لئے ہے، اس دوسری بات سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ قصر حج کی وجہ سے نہیں ہے، ورنہ عرفاتی اور غیر عرفاتی میں فرق نہیں ہوتا، اور یہ فرق یہیں نہیں ہے، منیٰ اور مزدلفہ میں بھی ہے، چنانچہ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک میں علامہ دردیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

> ”حاجی اگر مکہ کا باشندہ ہے، یا منیٰ کا یا مزدلفہ کا یا محصب کا، اگر وہ اپنی جگہ سے مناسک حج کی ادائیگی کے لئے نکلا ہے، تو جب تک اس کے ذمے حج کا کوئی عمل باقی ہے، اور وہ اپنی جگہ سے باہر ہے، اس وقت جاتے بھی اور واپس ہوتے ہوئے بھی راستے میں قصر کرے گا، اور اگر حج کا کوئی عمل اس کے ذمے باقی نہیں ہے، تو وہ قصر نہیں کرے گا، اسی طرح وہ اپنی جگہ پر رہتے ہوئے بھی قصر نہیں کرے گا، مثلاً منیٰ کا باشندہ جب طوافِ زیارت کے بعد منیٰ میں لوٹا ہے، تو اگرچہ ابھی رمی اس کے ذمہ باقی ہے، لیکن چونکہ وہ اپنے وطن میں آ گیا ہے، اس لئے قصر نہیں کرے گا، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے کوئی حاجی قصر نہ کرے گا۔
>
> (اوجز المسالک الیٰ موطا امام مالک، ج:۸،ص:۱۵۶)

حاصل یہ ہے کہ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی یہ قصر مناسک حج میں سے نہیں ہے، ورنہ مقامی اور غیر مقامی کا فرق وہ نہ کرتے، چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا

صاحب فرماتے ہیں کہ:

> مشائخ کی زبان پر مشہور اور شروح وحواشی میں مذکور تو یہی ہے کہ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک قصر مناسک حج میں ہے، اور جمہور کے نزدیک سفر کی وجہ سے ہے، مگر درست یہ ہے کہ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی قصر سفر ہی کی وجہ سے ہے، مگر یہ سفر ان کے نزدیک عام اسفار کی تحدیدات سے مستثنٰی ہے، جیسا کہ اگلے باب کے آخر میں آرہا ہے۔ (اوجز المسالک، ج:۸، ص:۱۵۶)

شیخ الحدیث صاحب نے اگلے باب کے آخر کا حوالہ دیا ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمالیں، موطا کی عبارت ہے:

> **”قال مالک: والامر الذی لااختلاف فیه عندنا أن الامام لایجهر بالقرآن فی الظهر یوم عرفة وانه یخطب الناس یوم عرفة وان الصلاة یوم عرفة إنما هی ظهر وإن وافقت الجمعة فإنما هی ولکنها قصرت من اجل السفر (اوجز المسالک، ج:۸، ص:۲۰۳)**
>
> امام مالک نے فرمایا: کہ وہ بات جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ یوم عرفہ کی ظہر میں امام جہراً قرأت نہیں کرے گا، اور یہ کہ امام خطبہ دے گا اور عرفہ میں نماز ظہر ادا کی جائے گی، خواہ جمعہ کا دن ہو، وہ ظہر ہی ہے، لیکن سفر کی وجہ سے اس میں قصر ہے۔

ایک سوال: یہاں تو خود امام مالک علیہ الرحمہ نے تصریح فرمادی ہے کہ مناسک حج کے دوران قصر ہے، لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک قصر کے لئے ایک خاص مدت یا خاص مسافت کا سفر ہونا شرط ہے، اور وہ مدت یا مسافت مناسک حج کے دوران نہیں پائی جاتی، پھر یہ قصر کرنا سفر کی وجہ سے کیونکر ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک عام اسفار کے لئے تو ایک خاص مسافت شرط ہے، لیکن حج کی دوادوش اس سے مستثنٰی ہے، چنانچہ فقہ مالکی کے

مشہور متن مختصر الخلیل میں ہے کہ: **سن لمسافر أربعة بُرد ذهاباً قصر رباعية لاأقل إلا كمكي في خروجه لعرفة ورجوعه** ۔ (اوجز المسالک، ج:۸، ص:۲۰۴) چار برید کے مسافر کے لئے چار رکعت والی نمازوں کا قصر مسنون ہے، اس سے کم والے کیلئے نہیں، مگر ہاں کوئی مکی ہو، اس کیلئے حج کے واسطے عرفات جانے اور اس سے واپس آنے میں قصر کرنا مسنون ہے۔

اس میں صراحۃً حج کے دوران حاجی کے لئے عام مسافت سفر میں تخصیص کر دی گئی ہے، علامہ دردیر فرماتے ہیں کہ قصر صرف آنے اور جانے کے دوران ہوگا خود مکہ پہونچ کر یا منیٰ کا رہنے والا ہو تو منیٰ پہونچ کر قصر نہیں کرے گا، اگر چہ حج کا کوئی عمل ابھی باقی ہو، جیسے اگر مکی طواف افاضہ کے ئے مکہ آیا ہے، تو وہ یہاں قصر نہیں کرے گا، گو کہ جب منیٰ رمی جمرات کے لئے جائے گا، تو وہاں قصر کرے گا۔

یہ تصریح فقہ مالکی کے اور بھی متون وشروح میں ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمہ موطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> اس کا سبب یہ ہے کہ امام مالک علیہ الرحمہ نے حج کیلئے منیٰ، مزدلفہ، عرفات آنے اور جانے کے دور کو ایک سفر شمار کیا ہے، کیونکہ یہ آنا اور جانا مسلسل واجب ہے، اس میں انقطاع کا کوئی احتمال نہیں ہے، جیسا کہ **باب صلاة منىٰ** میں علامہ باجی کا کلام آرہا ہے۔ **(ج:۸، ص:۲۰۵)**

یہاں مناسب ہے کہ علامہ باجی کا کلام بھی پیش نظر رکھ لیا جائے، اس سے مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ وہ امام مالک علیہ الرحمہ کے اس ارشاد **قال مالک في أهل مكة أنهم يصلون بمنىٰ إذا حجوا ركعتين حتىٰ ينصرفوا إلىٰ مكة (باب صلوٰة منىٰ)** کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> امام مالک علیہ الرحمہ کے قول إذا حجوا کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لوگ عرفات تک پہونچیں گے اور پھر مکہ واپس ہوں گے، اور اگر ان کے سفر کی انتہا عرفات پر ہو جاتی، تو قصر کرنے کی انھیں اجازت نہ ہوتی، اس سفر میں جانا اور آنا دونوں کو شمار کیا گیا ہے، کیونکہ جو شخص مکہ سے حج کا احرام باندھ کر عرفات جائے گا، تو ضرور ہے کہ وہ مکہ واپس آئے گا، کیونکہ احرام جو اس نے باندھا ہے، اس کا عمل اور مقصد مکہ واپس آئے بغیر پورا نہیں ہو سکتا، اسکے برخلاف دوسرے اسفار میں اگر چہ جانے اور آنے دونوں کی کی نیت ہو، لیکن واپس آنا کچھ ضرور نہیں ہے، اسے اختیار کیا ہے کہ وہ اپنی منزل پر ہی ٹھہر جائے، یا کسی اور جگہ چلا جائے، اسی بنیاد پر امام مالک علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ اہل مکہ جب حج کے لئے نکلیں گے، تو مکہ لوٹنے تک دو ہی رکعت پڑھیں گے۔ (اوجز، ج:٨، ص:٢٣٣)

گویا حج کے سفر کا تسلسل مکہ سے شروع ہوتا ہے، اور مکہ آنے تک آنے جانے کی جو مسافت ہے، وہ سفر میں محسوب ہے، پس امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک دوران حج قصر حج کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ سفر کی شرط کے ساتھ ہے، جہاں سفر کا اطلاق نہیں ہے، وہاں قصر بھی نہیں ہے، مثلاً مکی، مکہ میں، اہل منیٰ، منیٰ میں، اہل مزدلفہ، مزدلفہ میں، ، اہل عرفات، عرفات میں، ان کے نزدیک قصر نہیں کریں گے۔

امام مالک کے علاوہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک قصر کرنے کے لئے سفرِ شرعی شرط ہے، جس کی ایک خاص مسافت یا خاص مدت ہے، اور ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی مناسک حج میں جو قصر ہے، وہ بھی سفر کے ساتھ مشروط ہے، پس منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں قصر کرنا سفر کی وجہ سے ہے، اگر سفر نہیں تو قصر بھی نہیں، مکی جس وقت مکہ میں ہے، خواہ وہ طواف زیارت کے لئے آیا، اور اس کے بعد اسے منیٰ لوٹ جانا ہو، قصر نہیں کرے گا، اس طرح منیٰ ومزدلفہ وعرفات کا رہنے

والا بھی اپنی جگہ پر قصر نہیں کرے گا، اگر محض حج کی وجہ سے قصر ہوتا تو مذکورہ بالا حجاج اپنی اپنی جگہ میں قصر کرتے، جب کہ ایسا نہیں ہے۔

حج کے ایام میں بعض لوگ اصرار کرتے ہیں کہ نمازوں میں مناسک حج ادا کرنے کے دوران قصر کرنا چاہئے، اور یہی نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، لیکن مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ قصر کا تعلق مناسک حج سے نہیں، بلکہ سفر سے ہے، امام مالک علیہ الرحمہ کا حوالہ گزر چکا ہے کہ وہ بھی قصر کی بنیاد سفر ہی کو قرار دیتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں رسول اللہ ﷺ نے قصر کیا ہے، مگر مقیم مقتدیوں کو نماز پورا کرنے کا حکم آپ سے ثابت نہیں ہے تو مکہ کے حضرات نے بھی آپ کی اقتداء میں دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔

اس سلسلے میں امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک جن لوگوں کے حق میں سفر پایا جا رہا ہے، خواہ وہ طویل سفر نہ ہو، وہ تو قصر کریں گے، کیونکہ وہ حکماً مسافر ہیں، لیکن جن کے حق میں سفر کا وجود نہیں ہے، جیسے مکی مکہ میں، منیٰ کا باشندہ منیٰ میں، عرفات کا باشندہ عرفات میں، اور مزدلفہ کا باشندہ مزدلفہ میں، ان کے حق میں سفر موجود نہیں ہے، اس لئے مقامی لوگ اپنے اپنے مقام پر قصر نہیں کریں گے۔

باقی تینوں ائمہ کے نزدیک مقامی اور غیر مقامی اہل اقامت کیلئے قصر درست نہیں ہے، ظاہر ہے جس مسئلہ پر چاروں ائمہ کا اتفاق ہو، اس سے الگ راہ ڈھونڈھنی غلط ہے۔

اب رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے مقامی اور مقیم حضرات کو اتمام کا حکم نہیں دیا، یعنی آپ کا حکم دینا منقول نہیں ہے، تو عرض ہے کہ اس منقول نہ ہونے سے قصر پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ آپ مکہ شریف میں اعلان فرما چکے تھے کہ ہم مسافر ہیں، مقیم حضرات اپنی نمازیں پوری کرلیں، یہ مسئلہ عام طور پر معلوم ہو چکا تھا، اس لئے اگر نقل نہ کیا

گیا ہو، تو محل تعجب نہیں، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ سرے سے منقول نہ ہو، اس سلسلے میں درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عن أبی نضرة قال: سأل شابٌ عمران بن حصین عن صلوٰة رسول الله ﷺ فی السفر فقال: إن هٰذا الفتیٰ یسألنی عن صلوٰة رسول الله ﷺ فی السفر فاحفظوهن عنی، ماسافرت مع رسول الله ﷺ سفراً قط إلا صلیٰ رکعتین حتیٰ یرجع وشهدت معه حنین والطائف، فکان یصلی رکعتین ثم حججت معه واعتمرت فصلیٰ رکعتین ثم قال: یا أهل مکة! أتموا الصلوٰة فإنا قوم سفر، ثم حججت مع أبی بکر واعتمرت فصلیٰ رکعتین رکعتین ثم قال: یا أهل مکة! أتموا الصلوٰة فإنا قوم سفر، ثم حججت مع عمر واعتمرت فصلیٰ رکعتین رکعتین ثم قال: یا أهل مکة! أتموا الصلوٰة فإنا قوم سفر ثم حججت مع عثمان واعتمرت فصلیٰ رکعتین رکعتین، ثم إن عثمان أتم ؓ۔

ایک نوجوان نے حضرت عمران بن حصین ؓ سے دریافت کیا کہ سفر میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ فرمایا کہ یہ نوجوان مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز سفر میں کیسی ہوتی تھی؟ پوچھ رہا ہے، اچھا سنو اور یاد رکھو! میں جب کبھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں رہا، آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، واپسی تک ایسا ہی رہا، میں آپ کے ساتھ حنین اور طائف میں رہا، آپ دو ہی رکعت پڑھتے رہے، پھر میں نے آپ کے ہمراہ حج وعمرہ کیا، اس میں بھی آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: اے اہل مکہ اپنی نماز پوری کرلو، ہم مسافر ہیں، پھر میں نے حضرت ابوبکر ؓ کی معیت میں حج وعمرہ کیا، انھوں نے بھی دو دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: اے اہل مکہ اپنی نماز پوری کرلو، ہم مسافر ہیں، پھر میں نے حضرت عمر ؓ کے ساتھ حج وعمرہ کیا، انھوں نے بھی دو دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: اے اہل مکہ اپنی نماز پوری کرلو، ہم مسافر ہیں، پھر میں نے

حضرت عثمان ؓ کے ساتھ حج وعمرہ کیا، انھوں نے بھی دودو رکعتیں پڑھیں، پھر انھوں نے نمازیں پوری پوری پڑھیں۔ (السنن الکبریٰ للبیھقی، ج:۳، ص:۱۹۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حج میں بھی اور عمرہ میں بھی رسول اللہ ﷺ نے اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما نے اہل مکہ کو فرمایا ہے کہ وہ اپنی نمازیں پوری کریں۔ حضرت عمران بن حصین ؓ کا یہ ارشاد ان تمام روایتوں کی تشریح وتوضیح ہے، جن میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل نہیں کیا گیا ہے، اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک چیز جو معروف ہوتی ہے، سلسلۂ کلام میں اس کا تذکرہ رہ جاتا ہے، لیکن وہ چیز مراد بہرحال ہوتی ہے، خود اسی روایت میں ملاحظہ ہو، حضرت عثمان ؓ کے تذکرے میں اتمام نماز کا حکم ذکر نہیں کیا گیا، وہ بھی غالباً اسی طور پر ذکر سے رہ گیا۔

حضرت عثمان ؓ کا عمل:

اس حدیث میں حضرت عمران بن حصین ؓ نے امیر المومنین حضرت عثمان ؓ کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ انھوں نے بعد میں منیٰ، عرفات میں نمازیں پوری پڑھی تھیں، اس کی تفصیل بھی بہت بصیرت افروز ہے، ملاحظہ ہو، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ:

> ”مشہور تابعی حضرت عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان ؓ نے منیٰ میں ہمیں چار رکعت نماز پڑھائی، اس کا تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے کیا گیا، تو انھوں نے إنا للہ وإنا إلیہ راجعون پڑھا، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں، اور میں نے حضرت ابوبکر ؓ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں، اور میں نے حضرت عمر ؓ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں، کاش کہ میرے حصے میں چار کے بجائے دو ہی مقبول رکعتیں ہوتیں۔ (کتاب تقصیر الصلاۃ، باب الصلوٰۃ بمنیٰ)

اس حدیث سے اتنی بات تو واضح ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان ؓ کے نزدیک نماز کا قصر مناسک حج میں نہیں ہے، اب رہا یہ سوال کہ جب ان کے بزرگ پیشرووں نے اور خود صاحب شریعت ﷺ نے دو دو رکعتیں پڑھی تھیں اور ابتداء میں وہ بھی دو ہی رکعت پڑھا کرتے تھے تو اب کیا داعیہ پیدا ہوا کہ قصر کے بجائے پوری نماز پڑھنے کو انھوں نے ترجیح دی، واضح رہے کہ حضرت عثمان ؓ کا عمل صرف ایک صحابی کا عمل نہیں ہے، کیونکہ وہ خلفاء راشدین میں ہیں، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ** (ابوداؤد، کتاب السنة، وترمذی، کتاب العلم) تم میرے طریقے اور خلفاء راشدین کے طریقے کو لازم سمجھو، اس پر مضبوطی سے جمے رہو اور دانتوں سے پکڑ لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کا طریقہ اور ان کی سنت، صاحب شریعت علیہ الصلوٰة والسلام کے طریقے اور سنت کے ساتھ ملحق ہے، اسے یہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ایک صحابی کا عمل ہے، اور نہ یہ کہنا درست ہوگا کہ انھوں نے نبی ﷺ کی سنت کے خلاف عمل کیا، اگرچہ وہ بظاہر خلاف معلوم ہو، مگر غور وتحقیق کے بعد وہ سنت نبوی کے دائرے میں داخل ہوگا، خلاف ہونے کا تو کوئی احتمال ہی نہیں، چنانچہ اس جگہ حضرت عثمان ؓ کا عمل بظاہر نبی کریم ﷺ اور شیخین کے طریقے کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے اس پر إنا للہ پڑھی، مگر جب نماز کا وقت آیا، تو ان کی اقتداء میں انھوں نے بھی اتمام کیا، بلکہ جماعت فوت ہوجانے کی صورت پیش آئی، تب بھی انھوں نے چار ہی رکعت پڑھی، حالانکہ اس وقت وہ دو رکعت پڑھ سکتے تھے، چنانچہ انھیں کے ایک شاگرد عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم مزدلفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے ساتھ تھے، وہاں سے چل کر منیٰ کی مسجد میں داخل ہوئے، تو انھوں نے دریافت کیا امیر المومنین نے

کے رکعتیں پڑھی ہیں، لوگوں نے بتایا کہ چار رکعت پڑھی ہے، تو انھوں نے بھی چار ہی رکعت پڑھی، ہم نے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ نبی ﷺ نے دو رکعتیں پڑھی تھیں، حضرت صدیق اکبر نے دو رکعتیں پڑھی تھیں، فرمایا ہاں، میں نے بیان کیا تھا، اور اب بھی بیان کرتا ہوں، لیکن عثمان امام ہیں، میں ان کے خلاف نہیں کرسکتا، خلاف کرنا شر ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، ج:۳، ص:۲۰۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے خلیفۂ راشد کا اتباع خیر سمجھ کر کیا، بات یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی شان عام صحابہ جیسی نہیں ہے، ان سے کارِ نبوت کی تکمیل کرائی گئی ہے، انھوں نے بطور نیابت کے ان کاموں کی تکمیل کی ہے، جنھیں آپ کی حیات طیبہ میں کسی مصلحت سے پایۂ تکمیل تک نہین پہونچایا گیا تھا، اس کی متعدد مثالیں ہیں، یہ موضوع ایک مستقل مقالہ چاہتا ہے۔

امیر المومنین سیّدنا عثمان بن عفان ؓ نے مناسک حج کے دوران منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں؟ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس سوال کے متعدد جواب دئے گئے ہیں، لیکن جی لگتی بات وہ ہے جو انھوں نے خود جواب میں ارشاد فرمائی تھی، مسند احمد میں عبدالرحمٰن بن ابی ذباب سے منقول ہے کہ:

> **عن عبد الرحمن بن أبی ذباب ، عن ابیه ، أن عثمان بن عفان صلّیٰ بمنیٰ أربع رکعات، فأنکره الناس علیه ، فقال : یاأیها الناس إلی تاهلت بمکة منذ قدمت، وإنی سمعت رسول الله ﷺ یقول: من تاهل فی بلد فلیصلِّ صلاة المقیم۔** (ج:۱، ص:۶۲، رقم الحدیث:۴۴۳)

حضرت عثمان بن عفان ؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں، لوگوں نے اس پر انکار کیا، تو فرمایا کہ اے لوگو! میں نے مکہ مکرمہ میں آنے کے وقت نکاح کرلیا ہے، اور

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو کسی شہر میں نکاح کرلے، تو چاہئے کہ مقیم کی نماز پڑھے۔

اس روایت کی سند میں قدرے ضعف پایا جاتا ہے، لیکن فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے، چنانچہ صاحب المغنی نے اس سے استدلال کیا ہے، پھر یہ استدلال کسی حکم کے اثبات کے لئے نہیں ہے، حضرت عثمان ؓ کا منیٰ میں چار رکعت پڑھنا، تو بخاری شریف کی صحیح روایت سے ثابت ہے، اس ضعیف حدیث سے اس عمل کی توجیہ وتعلیل ہورہی ہے، گو اس حدیث کا ایک راوی ضعیف ہے، مگر یہ ان قیاسی توجیہات سے بہرحال افضل ہوگی، جو لوگوں نے اپنے اپنے گمان سے تجویز کی ہیں۔

اس توجیہ کی تائید اور بھی آثار وروایات سے ہوتی ہے، امام ابوداؤد نے مشہور تابعی اور حافظ حدیث حضرت امام زہری کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں اس لئے پڑھی تھیں کہ انھوں نے حج کے بعد مکہ میں اقامت کی نیت کرلی تھی، (رقم الحدیث:۱۹۶۱، کتاب المناسک، باب الصلوٰۃ بمنیٰ) انھیں نے جلیل القدر فقیہ تابعی حضرت ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے مکہ کو وطن بنالیا تھا، اس لئے اتمام کیا، ابوداؤد ہی میں امام زہری سے ایک اور توجیہ منقول ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے طائف میں کچھ جائداد بنالی تھی، اور اقامت کی نیت کرلی تھی، اس لئے چار رکعت پڑھی۔

ان سب روایات کا حاصل ایک ہے کہ امیر المومنین نے مکہ میں اقامت کی نیت کرلی تھی، خواہ اس نیت کی علت تاہل یعنی نکاح کرنا ہو، یا طائف کی جائداد ہو، وطن بنانے کا مطلب بھی وطن اقامت ہے ورنہ مہاجرین کے لئے مکہ کو مستقل وطن بنانا تو ممنوع تھا۔

خلاصہ اس ساری تفصیل کا یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک نمازوں میں قصر محض

سفر کی وجہ سے ہے، دوران حج بھی قصر کی بنیاد سفر ہی ہے، حج نہیں، البتہ امام مالک علیہ الرحمہ حج کے موقع پر سفر کی اس مسافت کو شرط نہیں قرار دیتے، جو عام حالات میں شرط ہے، اور شاید اسی وجہ سے خیال ہوا ہو کہ ان کے نزدیک قصر مناسک حج میں ہے، لیکن جب انھوں نے خود تصریح فرمادی ہے کہ یہ قصر سفر ہی کی وجہ سے ہے، تو پھر یہی متعین ہے۔

اب جو لوگ حدیث کا نام لے کر حاجیوں کو ورغلاتے ہیں کہ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں قصر کرنا حج کے ارکان ومناسک میں ہے، حاجی بہر حال قصر کرے خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم، ان سے حجاج ہوشیار رہیں، وہ سنت اور حدیث پر لانا نہیں چاہتے، بلکہ اس طریقۂ حق سے ہٹانا چاہے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ سے حضرات صحابہ نے، تابعین نے اور ائمہ نے سیکھا ہے، اس راہ سے ہٹنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ **وما علینا إلا البلاغ**

مراد ما نصیحت بود کردیم

☆☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنا

قال اللہ تعالیٰ:

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسطی

(سورۃ البقرۃ:۲۳۸)

نمازوں کی حفاظت کرو اور خاص طور سے صلوٰۃ وسطیٰ کی۔

إِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُوْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا

(سورۃ النساء:۱۰۳)

نماز اہل ایمان پر وقت وقت سے فرض ہے۔

(۲) عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنا

حج کے مسائل میں غلو وتشدد کا شکار عرفات میں نماز ظہر اور عصر کے جمع کرنے کا مسئلہ بھی ہے، اگر طبیعتوں میں وسعت ہوتی، اور اختلافی مسائل کو ان کے حدود پر قائم رکھا جاتا تو کوئی اہم بات نہ تھی، جس کے نزدیک جو بات محقق ہوتی، اس پر عمل کرتا، لیکن ظاہرداری اور نمائش پسندی نے ایک راگ یہ الاپی ہے کہ سب ایک طریقے پر جمع ہوجائیں، تاکہ اتحاد ہو یا نہ ہو، اتحاد کی نمائش ہوتی رہے، اسی بنیاد پر ہر سال یہ نزاع وکشمکش ہوتی ہے کہ ہر ملک میں عید ایک روز ہونی چاہئے، تاکہ اتحاد کا مظاہرہ ہو، حالانکہ عبادات میں یہ تصور ہی غلط ہے کہ سب بیک وقت مجتمع ہوکر ہی عبادت کریں، اگر یہی جذبہ ہے، تو پھر ایک ملک نہیں، ایک صوبہ نہیں، ایک ضلع نہیں، ایک شہر میں تمام مساجد میں فرض نماز کا ایک وقت کیوں نہیں مقرر کر لیتے؟

یہی حال عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنے کا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں عصر کی نماز کو اس کے وقت سے پہلے ظہر کے ساتھ ادا فرمایا ہے، یہ واقعہ نہ صرف روایۃً متواتر ہے، بلکہ عملاً بھی متواتر ہے، اس بنا پر اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب حکومت کا مقرر کردہ امام عام عرفات میں ۹/ ذی الحجہ کو ظہر کی نماز پڑھائے گا، تو ظہر کے فوراً بعد عصر کی نماز بھی ادا کرے گا، اور اس کے پیچھے جتنے بھی مقتدی بحالت احرام حج ہوں گے، سب اس کے ساتھ دونوں نمازیں ادا کریں گے، اس تفصیل

کے ساتھ دونوں نمازوں کو اکٹھا پڑھنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تمام ائمہ اس صورتحال پر متفق ہیں۔

اس اتفاق کے بعد جب صورتحال مختلف ہوتی ہے، تو فتویٰ مختلف ہوتا ہے، مثلاً

(۱) میدان عرفات میں ۹؍ذی الحجہ کو حاجی تنہا نماز پڑھتا ہے،

(۲) یا حکومت کے مقرر کردہ امام عام کے پیچھے نہیں، بلکہ کسی انفرادی جماعت میں نماز پڑھ رہا ہے،

(۳) یا وہ حج کے احرام میں نہیں ہے، بلکہ بغیر احرام کے اس وقت عرفات میں ہے،

ان تینوں صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں نمازیں علیٰحدہ علیٰحدہ ان کے وقت پر پڑھی جائیں گی، جمع کرنا درست نہیں ہے، مگر پہلی اور دوسری صورت میں امام صاحب کے علاوہ دوسرے ائمہ یہاں تک کہ امام صاحب کے دونوں مشہور تلامذہ امام ابویوسف اور امام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک جمع کرنا درست ہے۔

استدلال اور نظر کے اعتبار سے امام صاحب کے قول کو قوت حاصل ہے، کیونکہ ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا اصل ہے، اور وقت کے بعد پڑھنا قضا ہے، جس سے بہرحال ادا کی تلافی ہوجاتی ہے، لیکن وقت سے پہلے ادا کرنا ایک ایسا عمل ہے جس کی نظیر عبادات میں نہیں ہے، رمضان سے پہلے رمضان کا روزہ ادا نہیں ہوسکتا، ۹؍ذی الحجہ سے پہلے حج نہیں ادا ہوسکتا، صبح صادق سے پہلے فجر کی نماز نہیں ہوسکتی، اسی طرح زوال سے پہلے ظہر کی نماز نہیں ہوسکتی، غروب آفتاب سے پہلے مغرب کی نماز نہیں ہوسکتی، وقت سے پہلے عشاء کی نماز نہیں ہوسکتی، کیونکہ وقت کا اہتمام اور اس کی حفاظت نص قطعی سے فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی (سورۃ البقرۃ: ۲۳۸) نمازوں کی حفاظت کرو اور خاص طور سے صلوٰۃ وسطیٰ کی۔ اور معلوم ہے کہ نماز کی حفاظت جن

چیزوں سے ہوتی ہے ان میں اہم ترین چیز وقت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا** (سورۃ النساء:۱۰۳) نماز اہل ایمان پر وقت وقت سے فرض ہے۔ تو جو چیز نص قطعی سے ثابت ہے اس میں تغییر وترمیم نص قطعی ہی سے ہوسکتی ہے، اور جس حالت میں جتنی ترمیم نص قطعی سے ثابت ہوئی ہو، اسی حالت میں اور اتنی ہی ترمیم ثابت ہوگی، ورنہ نص قطعی میں نامناسب تصرف لازم آئے گا۔ اس تفصیل کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ عصر کی نماز میں نص قطعی سے تغیر بصورت تقدم واقع ہوا ہے، وہ اس طرح کہ حج کے احرام میں، عرفات کے اندر عصر کی نماز ظہر کے وقت میں، ظہر کے ساتھ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھی ہے، اور آپ کا یہ پڑھنا تواتر سے ثابت ہے، پس عام حالات کے برعکس اس حال میں شریعت کا حکم یہی ہے، لیکن اس تقدیم کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کے جس مبارک عمل سے ثابت ہے، اس کے اجزاء یہ ہیں:

(۱) ۹؍ذی الحجہ کو عرفات میں جمع تقدیم کا یہ عمل ہوا ہے۔

(۲) حج کے احرام میں ہوا ہے۔

(۳) یہ عمل اس جماعت میں ہوا ہے، جس کے امام خود رسول اللہ ﷺ تھے، آپ کی عدم موجودگی کی صورت میں، مسلمانوں کے حاکم یا اس کے مقرر کردہ نائب کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والی جماعت بھی اسی کے حکم میں ہوگی۔

جب یہ تینوں باتیں تواتر قولی وعملی سے ثابت ہیں، تو یہ تینوں شرطیں جمع تقدیم کے لئے لازم ہوں گی۔ اس لئے

(۱) اگر میدان عرفات اور ۹؍ذی الحجہ کی تاریخ نہ ہو، تو جمع درست نہیں ہے۔

(۲) اگر کوئی حج کے احرام میں نہیں ہے، تو اس کے لئے بھی جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) حاکم یا نائب حاکم کی امامت میں جماعت نہ ہو رہی ہو، تب بھی جمع کرنا درست

نہیں ہے۔

یہ باتیں بالکل واضح ہیں، اس لئے تنہا پڑھنے والوں یا جماعت کے ساتھ اپنے اپنے خیموں میں نماز پڑھنے والوں کے لئے جمع کرنا درست نہ ہوگا، اس تفصیل کی روشنی میں امام صاحب کا قول نظر واستدلال کے اعتبار سے قوی ہے۔ امام صاحب کے ساتھ اس قول میں مشہور تابعی امام ابراہیم نخعیؒ اور دوسرے بزرگ فقیہ حضرت سفیان ثوری علیہما الرحمہ بھی ہیں۔

لیکن باقی تینوں ائمۂ مذاہب امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے نزدیک، اور خود امام صاحب کے دونوں جلیل القدر تلامذہ امام ابو یوسف اور امام محمد (رحمہم اللہ) کے نزدیک مذکورہ بالا جماعت کے بغیر تقدیم کرنا جائز ہے، دلائل ان حضرات کے ساتھ بھی ہیں، مگر یہاں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے، چونکہ امام صاحب کے قول کے خلاف بہت زور صرف کیا جاتا ہے، اسلئے بقدر ضرورت ان کی دلیل کی تفصیل بیان کر دی۔

آج کل جو حالات پیدا ہو رہے ہیں، اور میدان عرفات میں عین حج کے موقع پر جو اختلافات سر اٹھاتے ہیں، اور آپس میں انتشار ہوتا ہے، اور ایک قوم تشدد سے کام لے کر ذہن ودماغ بگاڑتی ہے، اس صورتحال میں اگر صاحبین کے مسلک پر کوئی عمل کر لے اور ظہر وعصر کو جمع کر لے، تو کچھ خرابی لازم نہ آئے گی، انشاء اللہ، اور انتشار سے نجات مل جائے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

مناسک حج (رمی، ذبح اور حلق)
میں ترتیب کا مسئلہ

قال اللہ تعالیٰ:

وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُؤُوۡسَکُمۡ حَتّٰی یَبۡلُغَ الۡھَدۡیُ مَحِلَّہٗ

(سورۃ البقرۃ:۱۹۶) اس وقت تک سر نہ منڈواؤ جب تک قربانی کا جانور اپنی جگہ نہ پہونچ جائے۔

☆☆☆☆☆☆

من قدم شیئاً من حجه أو أخره فلیھرق لذٰلک دماً

(شرح معانی الآثار، حدیث:۳۹۹۷) جس نے اپنے حج میں مناسک میں سے کسی چیز کو آگے یا پیچھے کر دیا، اس کی وجہ سے اسے ایک قربانی کرنا چاہئے۔

(۳) مناسک حج (رمی، ذبح اور حلق) میں ترتیب کا مسئلہ

ہر شخص جانتا ہے کہ بعض عبادتیں مفرد اور بسیط ہیں، جیسے روزہ اور زکوٰۃ، کہ ان دونوں میں ایک ہی کام ہے روزہ نام ہے صبح صادق سے غروب آفتاب تک ایک خاص نیت سے، ایک خاص حالت میں رہنے کا، اور زکوٰۃ نام ہے اپنے مال کے مخصوص حصے کو مستحق زکوٰۃ کی ملکیت میں کر دینے کا۔ یہ دونوں صرف ایک ایک عمل ہے۔

اور بعض عبادتیں کئی کئی افعال واعمال کا مجموعہ ہیں۔ مثلاً نماز اور حج، نماز نام ہے قیام، قرأت، رکوع، سجود اور قعود کا۔ اسی طرح حج نام ہے، احرام، وقوفِ عرفات، وقوفِ مزدلفہ، قیامِ منیٰ، رمی جمرات، ذبح (قربانی)، حلقِ راس (سر منڈوانے) کا، اور مثلاً وضو نام ہے چہرہ اور ہاتھ دھونے کا، سر کے مسح کرنے کا، اور پاؤں دھونے کا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرکب عبادات کے افعال واعمال میں کوئی ترتیب ہے، یا جیسے کوئی کرے عبادت ادا ہو جائے گی؟ اس کا جواب شریعت کی ہدایات میں بھی اور عقل کے تقاضے سے بھی کھلا ہوا ہے کہ **کیف ما اتفق** مختلف اعمال کو جوڑ دینے سے عبادت ادا نہ ہوگی، حق تعالیٰ نے کائنات کے نظام میں ایک ترتیب، بلکہ حسن ترتیب کا اہتمام کیا ہے، پھر عبادات میں جو کہ کائنات انسانی کی تخلیق کا مدار ہے، کیوں نہ ترتیب کا لحاظ رکھا جاتا۔

نماز کی ترتیب میں پہلے قیام ہے، پھر اسی میں قرأت ہے، اس کے بعد رکوع

ہے، رکوع کے بعد قومہ ہے، اس کے بعد سجدہ ہے، سجدہ کے بعد بیٹھنا (جلسہ) ہے، پھر دوسرا سجدہ کرنا ہے۔ یہ ایک خاص ترتیب ہے۔

اسی طرح حج میں پہلے احرام باندھنا ہے، پھر مکہ مکرمہ حاضر ہو کر طوافِ قدوم ہے، طوافِ قدوم کے بعد منیٰ میں حاضر ہونا ہے، منیٰ سے پھر عرفات جانا ہے، اس کے وقوف کے بعد مزدلفہ کا وقوف ہے، وقوفِ مزدلفہ کے بعد منیٰ آ کر جمرۂ عقبہ کی رمی ہے، پھر اگر واجب ہو تو قربانی ہے، اور اگر قربانی واجب نہ ہو، یا قربانی کر چکا ہے، تو سر منڈوا دینا ہے۔ اس کے بعد بیت اللہ شریف کا طواف کرنا ہے، اور پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا، پھر دو دن اور رمی کرنا۔

مناسک حج میں رسول اللہ ﷺ سے یہی ترتیب ثابت ہے، آپ ﷺ نے ۱۰ھ میں آخری حج کیا۔ اور اس میں اعلان فرمایا کہ حج کے اعمال و مناسک مجھ سے سیکھ لو، شاید اس سال کے بعد مجھے تم نہ پاؤ، چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: **رأيت رسول الله ﷺ يرمى الجمرة وهو على بعيره وهو يقول ياايها الناس خذوا مناسككم فانى لاأدرى لعلى لاأحج بعد عامى هٰذا** (نسائی شریف، حدیث: ۳۰۶۴)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اونٹ پر تشریف فرما تھے، اور جمرہ کی رمی کر رہے تھے، اور فرما رہے تھے کہ اے لوگو! اپنے طریقۂ حج کو حاصل کر لو، میں نہیں جانتا، شاید اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں۔

اسی طرح مسلم شریف میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: **رأيت النبى ﷺ يرمى على راحلته يوم النحر ويقول: لتاخذوا مناسككم فانى لاأدرى لعلى لاأحج بعد حجتى هٰذه** (حدیث: ۱۲۹۷)

میں نے نبی ﷺ کو ۱۰/ ذی الحجہ کو دیکھا کہ آپ اپنی سواری پر سے رمی کر رہے تھے، اور فرما رہے تھے کہ اے لوگو! اپنے طریقۂ حج کو حاصل کرلو، کیا پتہ کہ اپنے اس حج کے بعد دوبارہ حج نہ کرسکوں۔

آپ نے اپنی امت کو بڑے اہتمام سے حج کرنا سکھایا۔ اس کے مناسک کی ترتیب متعین فرمائی۔ صحابہ کرام ﷺ کو بالاعلان اس کی طرف متوجہ فرمایا، ظاہر ہے کہ یہ انتہائی اہم چیز تھی، جس کی طرف آپ نے توجہ دلائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کی یہی ترتیب ضروری ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے سکھایا۔ اس ترتیب کو جو بدل دے گا، اس نے سنت کے مطابق، تعلیم رسول کے موافق حج نہیں کیا۔

اس جگہ پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مناسک حج کی اس ترتیب مسنون کی کسی نے رعایت نہیں کی، بلکہ اس نے کچھ تقدیم وتاخیر کردی، تو اس کے حج کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان افعال میں بعض تو وہ ہیں، جن میں ترتیب تمام اہل علم کے نزدیک واجب ہے، جیسے احرام، تمام مناسک سے پہلے ہے، اسی طرح وقوفِ عرفات، باقی ارکان وواجبات سے پہلے ہے، ان دونوں میں تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یا سعی ہے کہ وہ بھی ترتیب میں طواف کے بعد ہوتی ہے۔

اور بعض مناسک وہ ہیں، جن میں تقدیم وتاخیر کی گنجائش ہے، مثلاً طوافِ زیارت، اس کا اصلی محل تو حلق راس کے بعد ہے، مگر حلق سے پہلے، بلکہ رمی سے پہلے بھی اس کی گنجائش ہے، یا سعی ہے، کہ وہ بھی ترتیب میں طواف کے بعد ہوتی ہے، پہلے نہیں۔ اور بعض مناسک وہ ہیں، جن میں ترتیب تو ہے، مگر بعض ائمہ کے نزدیک واجب ہے، اور بعض ائمہ کے نزدیک مسنون ہے، وہ رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ہے۔ ترتیب یہ ہے کہ ۱۰/ ذی الحجہ کو پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کی جائے، پھر ضروری ہو تو قربانی کی جائے، اس کے بعد حلق

کرا کے احرام کھول دیا جائے۔

یہ ترتیب امام ابو حنیفہ اور امام مالک علیہما الرحمہ کے نزدیک واجب ہے، اگر تقدیم وتاخیر ہوگی تو واجب ہونے کی وجہ سے اس کا کفارہ بصورت دم لازم ہوگا۔

اور احناف میں امام ابو یوسف وامام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک، نیز امام شافعی وامام احمد علیہم علیہا الرحمہ کے نزدیک مسنون ہے، تقدیم وتاخیر سے حج میں بدنمائی تو ہو جائے گی، مگر کوئی کفارہ لازم نہ ہوگا۔

رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب کے مسنون ہونے کی دلیل:

حدیث کی تمام کتابوں میں، مناسک حج کے بیان میں بکثرت یہ نقل کیا گیا ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے تھے کہ میں نے غلطی سے پہلے قربانی کر لی، رمی نہیں کر سکا آپ فرماتے اچھا رمی کر لو۔ کچھ تنگی نہیں ہے، کوئی کہتا کہ میں حلق کرا لیا، اور قربانی رہ گئی، آپ فرماتے اب قربانی کر لو، کوئی تنگی نہیں۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا ارشاد ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں: **ان رسول اللہ ﷺ وقف فی حجة الوداع فجعلوا یسالونه فقال رجل : لم اشعر فحلقت قبل أن أذبح قال : إذبح ولاحرج ، فجاء آخر فقال رجل : لم اشعر فنحرت قبل أن أرمی قال : إرم ولاحرج ، فما سئل ﷺ یومئذٍ عن شیٔ قدم ولا اخر إلا قال إفعل ولاحرج (حدیث:۱۷۳۶)**

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں وقوف کیا، لوگ آپ سے سوالات کرنے لگے، ایک آدمی بولا، میں نہیں سمجھ سکا اور قربانی کرنے سے پہلے سر مونڈ والیا، فرمایا ذبح کر لو، کوئی تنگی نہیں ہے۔ دوسرا آدمی آیا، اس نے کہا میں نے لاعلمی میں قربانی کر لی اور رمی نہیں کر سکا۔ فرمایا رمی کر لو اور کوئی تنگی نہیں ہے۔ اس دن جس کسی چیز کے بارے میں آپ سے

تقدیم وتاخیر کا سوال کیا گیا، آپ یہی فرماتے رہے، کرلو، کچھ تنگی نہیں۔

اس سوال وجواب کی دلالت بظاہر یہی ہے کہ مذکورہ امور کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر سے کچھ حرج نہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ترتیب واجب نہیں ہے، ہاں مسنون ہے۔

مذکورہ بالا امور کے درمیان ترتیب کے وجوب کی دلیل:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّهٗ** (سورۃ البقرۃ:۱۹۶) اگر کوئی شخص احرام باندھ کر حج کرے یا عمرے کے ارادے سے چلا، مگر کوئی مجبوری ایسی آگئی کہ اس کا کعبہ مقدسہ پہونچنا ممکن نہ رہا، تو احرام کھولنے کی صورت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے، کہ وہ قربانی کے لئے کوئی جانور حرم میں بھیجے، جب وہ جانور وہاں پہونچ کر ذبح ہوجائے، تو یہ اپنا سر منڈوا کر حلال ہوجائے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب تک قربانی کا جانور اپنی جگہ یعنی حرم تک نہ پہونچ جائے، یعنی اس کی قربانی نہ ہوجائے اس وقت تک اپنا سر نہ منڈاؤ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ قربانی اور حلق کے درمیان ترتیب واجب ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَأَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ فِىْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْ مِنْهَا وَأَطْعِمُوْا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَالْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ** (سورۃ الحج:۲۷۔۲۸۔۲۹)

اور لوگوں میں حج کے واسطے پکار دو کہ تمہارے پاس لوگ پیدل چل کر، اور دبلے ہوئے اونٹوں پر سوار ہوکر دور دراز راستوں سے آئیں، تاکہ اپنے فائدے کی جگہوں پر حاضر ہوں، اور اللہ کا نام چند متعین دنوں میں پڑھیں، قربانی کے ان جانوروں پر جو اللہ نے

انھیں دئے ہیں، سو اس میں سے کھاؤ، اور برے حال والے محتاج کو کھلاؤ، پھر چاہئے کہ ختم کر دیں اپنا میل کچیل، اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا۔

ان آیات میں صراحت ہے کہ قربانی کرنے کے بعد میل کچیل دور کرنا ہے، یعنی بالوں کو منڈوانا ہے۔ حلق کے بیان کے لئے فرمایا: **ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُم**۔ **ثم** ترتیب وتراخی کے لئے ہے، معلوم ہوا کہ قربانی پہلے ہے اور سر منڈوانا بعد میں۔ اس کے ساتھ سابقہ آیت بھی پڑھ لیجئے: **وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّهٗ**۔ اس وقت تک سر نہ منڈواؤ جب تک قربانی کا جانور اپنی جگہ نہ پہونچ جائے، اس طرح بات صاف ہو جاتی ہے کہ کم از کم قربانی اور حلق راس میں ترتیب واجب ہے۔ اس وجوب کا تقاضا ہے کہ رمی کی تقدیم، جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، وہ بھی واجب ہو۔

(۳) مشہور تابعی حضرت مجاہد اپنے استاذ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ نقل کرتے ہیں کہ، انھوں نے فرمایا: **من قدم شيئاً من حجه أو أخره فليهرق لذٰلك دماً** (شرح معانی الآثار، حدیث: ۳۹۹۷) جس نے اپنے حج میں مناسک میں سے کسی چیز کو آگے یا پیچھے کر دیا، اس کی وجہ سے اسے ایک قربانی کرنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ مناسک حج میں ترتیب واجب ہے۔

یہ دونوں نظرئے آپ نے پڑھ لئے، رسول اللہ ﷺ سے حج کے موقع پر تقدیم وتاخیر کے بارے میں متعدد سوالات ہوئے، ہر ایک پر آپ نے فرمایا **إفعل ولا حرج**، پھر سے کر لو، کوئی تنگی نہیں ہے۔ ان الفاظ کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ ترتیب ضروری نہیں ہے، نہ اس سے کوئی دم واجب ہوگا۔

لیکن جو بزرگ فقیہ صحابی ان کلمات کے راویوں میں سے ہیں، وہ فتویٰ دیتے

ہیں کہ تقدیم وتاخیر سے دم واجب ہوگا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ **إفعل و لاحرج** کا معنی وہ نہیں ہے، جو عام طور پر سمجھا گیا ہے۔

علماء نے اس سلسلے میں کافی غور وخوض کیا ہے، اس باب میں امام طحاوی نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بہت واضح ہے، اسے لکھتا ہوں۔ یہ معلوم ہے کہ جن لوگوں نے حضرت سے تقدیم وتاخیر کا مسئلہ پوچھا تھا، وہ سب اپنی لاعلمی کا اقرار کرتے ہیں، یہ پہلا موقع تھا، جب غلبۂ اسلام کے بعد صاحب شریعت حج کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے، اس وقت لوگ تفصیلی مسائل سے واقف نہ تھے، مجمع بھی بڑا تھا۔ ہر شخص کو اندازہ اور علم نہ ہو رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کس ترتیب سے کیا عمل کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں کو دعوت بھی دے رہے تھے کہ لوگ مناسک حج سیکھ لیں، تو جن لوگوں سے لاعلمی میں غلطیاں ہوگئی تھیں، وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرکے مسئلہ پوچھ رہے تھے، اور آپ ان کی تسلی کے لئے فرما رہے تھے کہ اچھا اب کرلو، کچھ تنگی نہیں ہے۔ یعنی کچھ گناہ نہیں ہے، اس ارشاد سے ترتیب کے وجوب کی نفی نہیں ہوتی بلکہ عدم علم کی وجہ سے معذور قرار دے رہے ہیں، قانون اور دستور تو وہی ہے، مگر پہلی مرتبہ جانکاری نہ ہونے کی وجہ سے جو غلطی ہوگئی وہ معاف ہے، اب سے اچھی طرح سیکھ لو، اب جبکہ لاعلمی باقی نہیں رہی، مسئلہ سب واضح ہے، تو حضرت عبداللہ بن عباس **رضی اللہ عنہما** فتویٰ دیتے ہیں کہ اب لاعلمی عذر نہیں ہے، جو کوئی تقدیم وتاخیر کرے گا، اسے دم دینا ہوگا۔ بعض حضرات علماء نے اب بھی جہل اور نسیان کو عذر قرار دے کر اس کی وجہ سے ترتیب کے وجوب کو ساقط قرار دیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: **وقال احمد الترتیب واجب یجب علیه الدم بترکه عمداً لکن یسقط وجوب الترتیب بالجهل والنسیان کذا روی الاثرم عنه وکذا یشعر کلام البخاری وهو**

المختار عندی للفتوی(ج:۶،ص:۲۸۰)

امام احمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ترتیب واجب ہے، اس کے عمداً ترک سے دم واجب ہوگا، لیکن جہل اور نسیان کی وجہ سے ترتیب کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے، اثرم نے ان سے ایسی ہی روایت کی، امام بخاری کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور میرے نزدیک (یعنی قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کے نزدیک) فتوی کے لئے یہی راجح ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ امام طحاوی کے نزدیک **لا حرج** والا مسئلہ بالکل ابتداء میں لاعلمی کی بنیاد پر تھا۔ اب جبکہ علم عام ہو چکا ہے، اب لاعلمی عذر نہیں رہی۔ اس لئے ترتیب واجب ہے، اس کے ترک سے دم واجب ہوگا، عمداً ہو یا نسیاناً۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوٰی یہی ہے، اور امام ابوحنیفہ اور دوسرے بعض جلیل القدر ائمہ نے اسے اختیار کیا ہے۔

بعض دوسرے حضرات کے نزدیک جہل ونسیان اب بھی عذر ہے، ترتیب ہے تو واجب، مگر جہل ونسیان کی وجہ سے یہ واجب ساقط ہوجاتا ہے، امام احمد کا یہی قول ہے، اور قاضی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک یہی راجح ہے۔

لیکن امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک ترتیب نہ واجب ہے، نہ اس کے ترک کی وجہ سے دم واجب ہے، بلکہ ترتیب مسنون ہے۔

اس وضاحت سے اتنی بات تو بہر حال ثابت ہے کہ دلیل وروایت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا قول بہت پختہ ہے، مگر عمل کی گنجائش دوسری طرف بھی ہے، اور اس کی وجہ سے حنفیت سے خروج لازم نہ آئے گا۔

موجودہ دور میں اس مسئلہ کی اہمیت:

ترتیب کا یہ مسئلہ نظری اعتبار سے کچھ زیادہ اہم نہیں، اور نہ اب سے کچھ دنوں پہلے

عملی اعتبار سے اہم تھا۔ جب حج میں عام طور سے اپنے ہاتھوں قربانی کی سہولت تھی، تو لوگ ترتیب ہی کے ساتھ عمل کرتے تھے، مفرد بالحج کے اوپر تو سرے سے قربانی ہی واجب نہیں ہے، اس لئے وہ تو رمی کرکے سرمنڈوالیتا تھا۔ نفلی قربانی اگر اسے کرنی بھی ہوتی، تو وہ ترتیب سے! گو کہ واجب نہ ہونے کی وجہ اس میں ترتیب بھی واجب نہ تھی، لیکن متمتع اور قارن جن پر حج کی قربانی واجب ہوتی ہے وہ بالترتیب رمی، قربانی اور حلق سے فارغ ہوکر طوافِ زیارت کرتے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب حج میں اتنا ازدحام نہیں ہوتا تھا، جتنا اب بفضلہٖ تعالیٰ ہورہا ہے، منیٰ کا میدان بہت سا خالی رہتا تھا۔ لوگوں کی ضرورت کی چیزیں وہیں مہیا ہوجاتی تھیں، قربانی کے جانور وہیں دستیاب تھے، مگر اب ایک طرف اگر منیٰ میں عمارتیں بہت سی بن گئی ہیں۔ بادشاہوں اور ان کے شاہزادوں کی رہائش کے لامتناہی سلسلوں نے جگہ تنگ کردی ہے، گاڑیاں غیر معمولی تعداد میں بڑھ گئی ہیں، اور ان کی وجہ سے جگہوں کا ایک بڑا حصہ معمور ہوگیا ہے، سڑکیں، دفاتر، پولیس اور بجلی کی عمارات اور نہ جانے کن کن ضروریات نے میدانِ منیٰ کے ایک بڑے حصے کو گھیر لیا ہے، اور دوسری طرف حجاج کرام کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے، اس کی وجہ سے قربان گاہ منیٰ سے ہٹا کر دور کردی گئی ہے، اب حاجی خود سے قربانی کرنا چاہے تو عام لوگوں کے لئے مشکل کیا، موجودہ حالات میں غیر ممکن نظر آتا ہے، اگر کوئی ہمت کرکے ایسا کرنے کا ارادہ بھی کرے، تو غیر معمولی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تنگیوں میں آسانیوں کی راہ نکلتی ہے، مناسک حج میں ایک قربانی ہی کا عمل ایسا ہے جس میں وکالت ونیابت بے تکلف درست ہے، تو بہت سے ادارے قربانی کی ذمہ داری کے لئے اپنی خدمات لے کر حجاج کی خدمت میں پہونچ جاتے ہیں، ان اداروں میں سب سے مستحکم ادارہ جو حکومت کی نگرانی میں ہے، بینک کا ادارہ ہے، وہ لوگوں سے جانوروں کی ایک متعین قیمت لیتا ہے، اس کے ذبح کی تاریخ اور وقت

متعین کرتا ہے، اور وعدہ کرتا ہے کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت آپ کی قربانی ذبح ہو جائے گی، آپ سر منڈوالیں۔ یہ شکل آسان ہے، لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ حاجی کے پاس بجز اس وعدے کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ وہ معلوم کر سکے کہ اس کی قربانی ہوئی یا نہیں؟ اور اس کے انتظام کار وہ ہیں جن کے نزدیک ترتیب کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، وہ بے تکلف کہہ دیتے ہیں کہ آپ اتنے بجے سر منڈوالیں۔ اگر بروقت قربانی نہ ہو سکی تو بعد میں ہو ہی جائے گی، لیکن احناف کے نزدیک اس سے حج میں خرابی لازم آتی ہے اور دم بھی واجب ہوتا ہے، اسی لئے عموماً حنفی حاجیوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس آسانی سے فائدہ نہ اٹھائیں، دنیوی اعتبار سے سہولت تو ہوگی، کارِ عبادت میں خرابی پڑے گی، جس کام کے لئے آدمی لاکھوں روپیہ خرچ کرتا ہے، مشقتیں برداشت کرتا ہے، ایک ذرا سی سہولت کے لئے اسی کام کو خراب کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

بینک کے ادارے کے علاوہ دوسرے بہت سے نجی ادارے بھی اس خدمت کو اپنے ذمے لیتے ہیں، ان میں بعض تو بہت ذمہ داری کے ساتھ، دیانت داری کے ساتھ اپنا وعدہ اور اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں، ایسا کوئی قابل اعتماد ادارہ مل جائے تو حاجیوں کو اس سے استفادہ کر لینا چاہئے۔

لیکن بہت سے ادارے اور افراد خدا کے خوف سے بے نیاز ہو کر نہ وعدہ کا خیال کرتے ہیں اور نہ ذمہ داری کا! بلکہ بعض تو سرے سے قربانی ہی نہیں کرتے، اس باب میں حاجیوں کو بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔

قول فیصل: ترتیب کے وجوب کی تفصیل بیان ہو چکی ہے، موجودہ احوال میں حجاج کرام کی دشواریوں کو بھی آپ دیکھ چکے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور ان کے دونوں جلیل القدر تلامذہ امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمہ کا مسلک بھی معلوم ہو چکا۔ لاعلمی

کی صورت میں ترتیب کے وجوب کا ساقط ہونا بھی بعض اصحاب فتویٰ (قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی) کے نزدیک راجح ہے، یہ بات بھی گزر چکی۔ اس صورتحال میں اگر کوئی شخص سرکاری ادارے سے قربانی کے مسئلے میں تعاون لیتا ہے، تو اس کو محض خدشات واحتمالات کی بنیاد پر منع نہیں کرنا چاہئے۔ دشواریوں میں آسانی کی راہ پیدا کرنا منشأ شریعت کے مطابق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا** (بخاری شریف، **کتاب العلم عن انس بن مالک** رضی اللہ عنہ) آسانی پیدا کرو، دشواری میں نہ ڈالو۔ خوشی کی بات سناؤ، نفرت کی نہیں۔

اس طرح کے مختلف فیہ مسائل میں سہولت کی راہ اختیار کرنا ہی بہتر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز فجر اور نماز عصر کے بعد طواف کا مسئلہ

عن عقبة بن عامر الجهنی یقول: ثلاث ساعاتٍ کان رسول الله ﷺ ینهانا أن نصلی فیهن أو أن نقبر فیهن موتانا، حین تطلع الشمس بازغةً حتیٰ ترتفع وحین یقوم قائم الظهیرة حتیٰ تمیل الشمس وحین تضیف الشمس للغروب حتیٰ تغرب

(مسلم شریف: باب الاوقات التی نهی عن الصلوٰة فیها)

حضرت عقبہ بن عامر ؓ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے، جس وقت سورج طلوع ہو رہا ہو، بلند ہونے تک، اور جس وقت سورج ٹھیک سر پر آجائے، زوال ہونے تک، اور جس وقت سورج غروب ہو رہا ہو، یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

عن أبی هریرة ؓ أن رسول الله ﷺ نهی عن الصلوٰة بعد العصر حتیٰ تغرب الشمس وعن الصلوٰة بعد الصبح حتیٰ تطلع الشمس (مسلم شریف حوالہ سابق)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔

(۴) نماز فجر اور نماز عصر کے بعد طواف کا مسئلہ

موسم حج میں ایک مسئلہ بکثرت یہ پیش آتا ہے، اور اس سلسلے میں سوالات بھی ہوتے رہتے ہیں کہ اگر کسی نے نماز عصر کے بعد یا نماز فجر کے بعد طواف کیا، اور طواف ظاہر ہے کہ ہمہ وقت مسلسل جاری رہتا ہے، طواف میں علاوہ نماز باجماعت کے اور کوئی وقفہ نہیں ہوتا، اور یہ بھی متعین ہے کہ ہر طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنی ہیں۔ یہ دو رکعتیں کیا ہیں؟ فرض ہیں؟ واجب ہیں؟ نفل ہیں؟ یہ تو ظاہر ہے کہ فرض نہیں ہیں، پھر کیا ہیں؟ کتب فقہ میں انھیں نفل بھی کہا گیا ہے اور واجب بھی!

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو رکعتیں اپنی اصل کے لحاظ سے نفل اور تطوع ہیں، لیکن طواف کی وجہ سے ان میں وجوب آجاتا ہے، جیسے کہ نفل نماز، نذر کی وجہ سے واجب ہو جاتی ہے، تو اس نماز کا وجوب، نذر نماز کے وجوب کے مانند ہے۔

مزید تفصیل یہ ہے کہ نماز نفل ہو یا واجب، وہ دو طرح کی ہیں، ایک وہ جو منجانب اللہ نفل یا واجب ہوں، جیسے عام نوافل، تہجد، فرائض سے پہلے یا بعد کی سنتیں، یا جیسے وتر کی نماز، انھیں ''لعینہ'' کہہ لیجئے۔ دوسرے وہ نوافل وواجبات جو بندے کے کسی عمل کی وجہ سے نفل یا واجب ہو جاتی ہیں، جیسے تحیۃ الوضو کہ بندے نے جب وضو کیا، تو مستحب ہوا کہ وہ دو رکعت پڑھ لے، یا تحیۃ المسجد کہ بندہ جب مسجد میں داخل ہوا تو بہتر ہوا کہ دو رکعت پڑھ لے، یا جیسے طواف کی دو رکعتیں کہ طواف کرنے والا جب طواف کر چکا تو ضروری ہے کہ وہ

دو رکعت پڑھ لے، یا کسی نے نماز یا روزے کی نذر مان لی تو اسے پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، ان نوافل وواجبات کو "**لغیرہ**" کہہ لیجئے، ان کے وجوب یا نفلیت میں بندے کے عمل کا دخل ہوتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ طواف کی دو رکعتیں واجب ضرور ہیں، مگر واجب لعینہٖ نہیں، واجب لغیرہ ہیں، یہ نذر کی نماز کے حکم میں ہے، وتر کے حکم میں نہیں ہے۔

اب دوسری بات سنئے! نماز ادا کرنا ایک عبادت ہے، اور افضل العبادات ہے، مگر بعض اوقات اور بعض حالات میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے، بے وضو نماز، نشہ کی حالت میں نماز جائز نہیں، ایسے ہی عین طلوع آفتاب، عین غروب آفتاب اور عین استواء آفتاب کے وقت نماز ممنوع ہے، **عن عقبة بن عامر الجهني يقول: ثلاث ساعاتٍ كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلي فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا، حين تطلع الشمس بازغةً حتىٰ ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتىٰ تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتىٰ تغرب** (مسلم شریف: **باب الاوقات التی نهی عن الصلوٰة فیها**) حضرت عقبہ بن عامر ؓ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے، جس وقت سورج طلوع ہو رہا ہو، بلند ہونے تک، اور جس وقت سورج ٹھیک سر پر آ جائے، زوال ہونے تک، اور جس وقت سورج غروب ہو رہا ہو، یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

یہ وہ اوقات ہیں جن میں ایک خاص وجہ سے کراہت پائی جاتی ہے، اور حدیث میں وہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ **فانها تطلع حين تطلع بين قرني الشيطان وحينئذٍ يسجد لها الكفار**، سورج جب طلوع ہوتا ہے تو شیطان کی دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، یعنی اس وقت شیطان اپنا سر وہاں اڑا لیتا ہے، اس وقت سورج کے پجاری اسے

سجدہ کرتے ہیں۔ سورج کے سر پر آ جانے کے متعلق فرمایا: **فان حینئذٍ تسجر جھنم،** اس وقت جہنم کو دھونکایا جاتا ہے، اور غروب آفتاب کے وقت کے متعلق فرمایا گیا: **فانھا تغرب بین قرنی الشیطان وحینئذٍ یسجد لھا الکفار،** سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے، اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔ (مسلم شریف)

یہ وہ اوقات ہیں، جن میں ہر نماز ممنوع ہے، البتہ احناف کے نزدیک غروب آفتاب کے وقت اسی روز کی عصر کی نماز بکراہت ہو جاتی ہے۔

(**تنبیہ**) حرم مکہ، حرم مدینہ دونوں جگہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ عین غروب اور عین طلوع کے وقت نماز میں مصروف رہتے ہیں، اور ان کو دیکھ دیکھ کر متعدد لوگ اس غلطی میں مبتلا ہوتے ہیں، خیال رکھئے کہ ان اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، مسئلہ کو بے پروائی سے ٹالنا کمزوریٔ ایمان کی دلیل ہے۔

وہ اوقات جن میں نفل مکروہ ہے:

(۱) **عن أبی ھریرۃ ؓ أن رسول اللہ ﷺ نھی عن الصلوٰۃ بعد العصر حتیٰ تغرب الشمس وعن الصلوٰۃ بعد الصبح حتیٰ تطلع الشمس** (مسلم شریف حوالہ سابق)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔

امام مسلم علیہ الرحمہ نے اس مضمون کی کئی ایک حدیثیں حضرت ابن عباس، حضرت عمر فاروق حضرت ابو سعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے نقل کی ہیں، ان

سب حدیثوں کا قدر مشترک حاصل یہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد کوئی بھی نفل نماز ممنوع ومکروہ ہے۔

حضرات شوافع نے بعض قرائن کی وجہ سے ان نوافل کی جن کا کوئی وقتی سبب ہوتا ہے، ان دونوں اوقات میں اجازت دی ہے، مثلاً تحیۃ المسجد، طواف کی دو رکعتیں، ان کے نزدیک چونکہ یہ ایک وقتی سبب کے اوپر منحصر ہیں، اور یہ سبب اسی وقت میں پایا گیا، اس لئے اس وقت میں ان نمازوں کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ یہی مسلک امام احمد علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان اوقات میں چند استثناءات کے ساتھ نفل نماز مکروہ ہے، اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ان دونوں ائمہ کے نزدیک طواف کی نماز بعد نماز عصر اور بعد نماز فجر مکروہ ہے، البتہ احناف میں امام طحاوی نے اپنا رُجحان یہ ظاہر کیا ہے کہ عصر کے بعد سورج زرد ہونے سے پہلے اور فجر کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے نماز طواف ادا کی جاسکتی ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور دوسرے اکابر صحابہ وتابعین کے نزدیک بعد نماز عصر اور بعد نماز فجر سورج کے غروب وطلوع ہونے تک نماز طواف نہیں پڑھی جاسکتی ہے۔

امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل:

امام طحاوی نے اپنی سند سے حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کا قول نقل کیا ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا، انھوں نے نماز طواف نہیں ادا کی، اور سوار ہوکر مکہ شریف سے رخصت ہوگئے، جب مقام ذی طویٰ میں پہونچے، اور سورج طلوع ہوکر بلند ہوگیا تو نماز پڑھی، یہ روایت امام مالک علیہ الرحمہ نے موطا میں ذکر کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا عمل:

حضرت ابوالزبیر مکی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ عصر کی نماز کے بعد طواف کررہے ہیں، اس کے بعد اپنے حجرے میں چلے جاتے ہیں، پھر میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کرتے ہیں (موطا امام مالک) ظاہر یہی ہے کہ وہ اس وقت نماز نہ پڑھتے تھے، ورنہ مسجد حرام ہی میں مقام ابراہیم کے پاس پڑھتے، گھر نہ جاتے۔

اہل مکہ کا عمومی دستور:

امام مالک علیہ الرحمہ نے ابوالزبیر مکی سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بیت اللہ شریف فجر کی اور عصر کی نماز کے بعد خالی ہوجاتا ہے، اس وقت کوئی طواف نہیں کرتا (حوالہ سابق) معلوم ہوا کہ لوگوں کو عموماً معلوم تھا کہ عصر اور فجر کے بعد نماز نہیں ہے، اس لئے وہ طواف بھی بند کردیتے تھے، کیونکہ طواف سے متصلاً ہی نمازِ طواف پڑھنا موکد ہے، اور اس وقت وہ پڑھی نہیں جائے گی، اس وقت طواف موقوف ہوجاتا تھا۔

دلائل قولی اور عملی سے یہ بات موکد ہوتی ہے کہ اصل یہی ہے کہ عصر اور فجر کے بعد کوئی نماز نفل نہیں، طواف کی نماز اگرچہ طواف کے عارض سے واجب ہے، مگر اصل میں وہ نفل ہی ہے، جیسے نذر کی نماز اصلاً نفل ہے، مگر نذر کی وجہ سے واجب ہوجاتی ہے، پس جیسے نذر کی نماز ان دونوں وقتوں میں نہیں پڑھی جاسکتی، اسی طرح طواف کی نماز بھی ان دونوں وقتوں میں پڑھنی ممنوع ہے۔

سورج بلند ہونے کے بعد پڑھیں، یا مغرب کی نماز کے بعد پہلے نماز طواف پڑھیں، پھر مغرب کی سنت!

☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکہ مکرمہ میں رہ کر عمرہ کی تکرار

(۱) **العمرة الی العمرة كفارة لما بينهما ،والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة** (حدیث:۱۷۷۳، بخاری شریف) ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک درمیانی وقفہ کے لئے کفارہ ہے، اور حج مبرور کا بدلہ بجز جنت کے اور کچھ نہیں ہے۔

(۲) **تابعوا بين الحج والعمرة فانهما ينفيان الفقر والذنوب كما ينفى الكير خبث الحديد والذهب والفضة وليس للحجة المبرورة ثواب إلا الجنة** (حدیث: ۸۱۰) حج وعمرہ کے درمیان تسلسل اختیار کرو، یہ دونوں تنگدستی اور گناہوں کو اس طرح ختم کرتے ہیں، جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔

(۳) **حجج تترىٰ وعمر نسقا تدفع ميتة السوء وعيلة الفقر** ۔ (ج:۵،ص:۱۰) لگاتار حج اور یکے بعد دیگرے عمرہ بری موت کو فقر کی تنگدستی کو دور کرتے ہیں۔

(۵) مکہ مکرمہ میں رہ کر عمرہ کی تکرار

مکہ مکرمہ ہو اور موسم حج ہو تو تمام دنیا کے حجاج جمع ہو جاتے ہیں، سب اللہ ورسول کی محبت سے معمور ہوتے ہیں، گھر سے دور بہت دور، کاروبارِ دنیا اور وطن کے مشاغل سے یکسو، صرف عبادتِ الٰہی کے لئے بیت اللہ میں حاضر ہوتے ہیں، یہاں کی خصوصی عبادت حج وعمرہ اور طواف میں مشغول ہوتے ہیں، حرم کے اندر ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کا ہوتا ہے، اس کے حصول کے لئے دور دور کی قیام گاہوں سے پیدل چل چل کر مسجد حرام کی جماعت میں شریک ہونے کے لئے بہت پہلے سے پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حجاج حج سے بہت پہلے حرم میں حاضر ہو جاتے ہیں، کچھ حج کے بعد کافی دنوں تک بیت اللہ کے قرب کی سعادت حاصل کرتے ہیں، ان ایام میں عبادت کے متوالے حجاج طواف، تلاوت، نوافل میں لگے رہتے ہیں، حج کا وقت تو متعین ہے، چھوٹا حج یعنی عمرہ وقت کی تعیین سے آزاد ہے، پورے سال بجز حج کے پانچ دنوں کے ہر کسی دن ہوسکتا ہے، عمرہ بھی ایک بڑی عبادت ہے، جس میں احرام کی پابندی ہوتی ہے، پھر طواف ہوتا ہے، پھر صفا ومروہ کی سعی ہوتی ہے، پھر سر منڈوانا ہوتا ہے، حج جیسی مشقت اس میں نہیں ہے، مگر مشقت سے خالی بھی نہیں ہے، عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے حدودِ حرم کے باہر جانا ہوتا ہے۔

بہت سے ہمت وحوصلہ والے اللہ کے دیوانے، مکہ مکرمہ کی مدتِ قیام میں متعدد

بار حرم کے باہر تنعیم (مسجد عائشہ) جاکر احرام باندھ کر آتے ہیں، اور عمرہ کے ارکان بجالاتے ہیں، یہ تو ان کا ذوق وشوق اور جذبۂ عبادت ہے، مگر کچھ لوگ انھیں روکتے ہیں، بار بار عمرہ کرنے کو منع کرتے ہیں، مسجد عائشہ سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے کو بدعت قرار دیتے ہیں، انفراداً بھی روکتے ہیں، مجامع میں وعظ وتقریر کے دوران بھی روکتے ہیں، اس سے حجاج کو بہت پریشانی ہوتی ہے، اس مجلس میں ہم اس کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران عمرہ کرتے رہنا بدعت ہے۔

اس سلسلے میں پہلے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی ہے، موطا امام مالک میں بھی ہے، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) العمرة الی العمرة كفارة لما بينهما ،والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة (حدیث:۱۷۷۳، بخاری شریف)

ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک درمیانی وقفہ کے لئے کفارہ ہے، اور حج مبرور کا بدلہ بجز جنت کے اور کچھ نہیں ہے۔

(۲) ایک دوسری حدیث بھی پڑھئے، یہ حدیث امام ترمذیؒ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

تابعوا بين الحج والعمرة فانهما ينفيان الفقر والذنوب كما ينفی الكير خبث الحديد والذهب والفضة وليس للحجة المبرورة ثواب إلا الجنة (حدیث:۸۱۰) حج وعمرہ کے درمیان تسلسل اختیار کرو، یہ دونوں تنگدستی اور گناہوں کو اس طرح ختم کرتے ہیں، جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔

(۳) ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے امام عبدلرزاق اپنی مصنف میں نقل فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **حجج تترىٰ وعمر نسقا تدفع ميتة السوء وعيلة الفقر**۔ (ج:۵، ص:۱۰)

لگاتار حج اور یکے بعد دیگرے عمرہ بری موت کو فقر کی تنگدستی کو دور کرتے ہیں۔

اس روایت کو فاکہی نے بھی عطا بن یسار سے موقوفاً نقل کیا ہے۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ بکثرت حج وعمرہ کرنا مستحب ہے، حج تو سال میں ایک ہی مرتبہ ہوسکتا ہے، مگر عمرہ کے لئے چونکہ کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اس لئے وہ یکے بعد دیگرے مسلسل ہوسکتا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فتح الباری میں اوپر والی حدیث کے تحت لکھتے ہیں: **وفي حديث الباب دلالة استحباب الاستكثار من الاعتمار**، باب کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بکثرت عمرے کرنا مستحب ہے۔ (بخاری شریف، کتاب العمرۃ)

حضرات صحابہ کے ارشادات اور ان کا عمل:

علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں، جو فقہ حنبلی کی معتبر اور عمدہ ترین کتاب ہے، لکھا ہے کہ:

"ایک سال میں کئی مرتبہ عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ بات حضرت علی، عبد اللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، انس بن مالک، عائشہ، طاؤس، عکرمہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، البتہ حضرت حسن بصری، ابن سیرین اور امام مالک نے سال میں دو مرتبہ عمرہ کرنے کو مکروہ کہا ہے، اور حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں، کہ لوگ سال میں ایک ہی مرتبہ عمرہ کرتے تھے، اور اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے زیادہ نہیں کیا ہے۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ایک ماہ میں دومرتبہ عمرہ کیا، ایک عمرہ اپنے قران کے ساتھ، اور ایک عمرہ حج کے بعد، اور اس لئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے، ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیان کے لئے کفارہ ہے (بخاری ومسلم) حضرت علی ؓ نے فرمایا ہر ماہ میں دومرتبہ عمرہ کرو، حضرت انس ؓ عمرہ کرنے کے بعد اتنا وقفہ کرتے تھے، کہ سر کے بال ظاہر ہونے لگیں، جب ایسا ہوجاتا تو پھر عمرہ کرتے، یہ دونوں روایتیں امام شافعی نے اپنی مسند میں ذکر کی ہیں۔ (ج:۳، ص:۱۷۸)

تنعیم (مسجد عائشہ) سے عمرہ:

بخاری ومسلم، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

أن النبی ﷺ أمره أن يردف عائشة ويعمرها من التنعيم (بخاری شریف، حدیث: ۱۷۸۴)

نبی ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اپنے پیچھے عائشہ کو بیٹھالو، اور تنعیم سے انھیں عمرہ کراؤ۔

علامہ ابن سیرینؒ کا ارشاد:

مشہور تابعی امام محمد بن سیرین کا قول علامہ فاکہی نے اخبار مکہ میں نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: **بلغنا أن رسول الله ﷺ وقت لاهل مكة التنعيم۔**

(ج:۵، ص:۵۷)

ہمیں یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کے لئے (عمرے کی) میقات تنعیم کو متعین فرمایا ہے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح کا ارشاد اور ان کا عمل:

مشہور تابعی جو امام المناسک اور شیخ مکہ تھے، فرماتے ہیں کہ اہل مکہ ہوں یا دوسرے جو مکہ میں مقیم ہوں، یہ اگر عمرہ کا ارادہ کریں، تو تنعیم جائیں، یا جعرانہ جائیں، اور وہاں سے احرام باندھیں، اور بہتر یہ ہے کہ (حج کی) کسی میقات پر چلے جائیں۔

(**اخبار مکة للفاکهی**، ج:۵، ص:٦٠)

انھیں حضرت عطاء نے فرمایا کہ تنعیم کا عمرہ مکمل عمرہ ہے۔ (حوالہ سابق)

مزید ان کا اور دوسرے اکابر تابعین حضرت مجاہد اور عبد اللہ بن کثیر داری اور دوسرے متعدد علماء وقراء کا عمل امام فاکہی نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جب رمضان کی ستائیسویں شب ہوتی تو یہ حضرات تنعیم جاتے اور حضرت جمانہ (حضرت جمانہ بنت ابی طالب، حضرت ام ہانی کی بہن تھیں) کے خیمے سے، جہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کیا تھا، عمرہ کرتے، پھر اخیر میں یہ معمول ترک کر دیا تھا، اور اس وقت ترک کیا تھا، جب حضرت عطاء بہت بوڑھے ہو گئے تھے، چنانچہ امام فاکہی نے حضرت عمرو بن دینار کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عطاء تنعیم سے عمرہ کرتے تھے، پھر جب وہ بوڑھے اور کمزور ہو گئے، تو اسے ترک کر دیا۔ (ج:۵، ص:۵۹)

امام فاکہی نے اخبار مکہ میں حضرت سعد بن ابراہیم کا قول نقل کیا ہے کہ "یہ لوگ جو تنعیم سے عمرہ کرنے کو منع کرتے ہیں، واللہ اگر میرا ان پر بس چلتا تو انھیں میں قید کر دیتا۔ (ج:۵، ص:۵۹)

یہ حضرت سعد، مشہور صحابی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف ﷺ کے پوتے ہیں، امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (ج:۹) میں انھیں **الحجة، الفقیه، قاضی المدینة** لکھا ہے، تابعی ہیں، اور لکھا ہے کہ **کان من کبار العلماء یذکر مع الزهری ویحییٰ**

بن سعید الانصاری ، بڑے علماء میں سے تھے، ان کا ذکر امام زہری اور یحییٰ بن سعید انصاری کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

امام نوویؒ کا ارشاد:

مذہب شافعی کے وکیل وترجمان ، مشہور محدث وفقیہ حضرت امام نووی کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرۃ میں لکھتے ہیں: **فینبغی للحاج أن یغتنم بعد قضاء مناسکه مدة مقامه بمکة ویستکثر من الاعتمار ومن الطواف فی المسجد الحرام** ۔ حاجی کے لئے مناسب ہے کہ ارکان حج ادا کرنے کے بعد جتنے دن مکہ میں قیام کا موقع ملے، اسے غنیمت سمجھے، اور کثرت سے عمرہ اور طواف کرتا رہے۔ عمرہ کی کثرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مستحب ہے، البتہ اس کثرت کی تفصیل میں قدرے اختلاف ہے، امام احمد کے نزدیک دوسرا عمرہ اس وقت کرنا چاہئے جب سر پر بالوں کا نشان ظاہر ہوجائے، اس کے لئے وہ دس روز کا فصل کافی سمجھتے ہیں۔

صرف امام مالک علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ **ولا أری لاحد أن یعتمر فی السنة مراراً** ۔ (موطا، کتاب الحج) میں کسی کے لئے مناسب نہیں سمجھتا کہ سال میں متعدد بار عمرہ کرے۔

اس پر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی اوجز المسالک ج: ۷، ص: ۲۵ میں لکھتے ہیں کہ: **وأجاز الجمهور وکثیر من المالکیة التکرار بلاکراهةٍ للحدیث السابق العمرة الی العمرة کفارة لما بینهما حتیٰ بالغ ابن عبد البر فقال لاأعلم أحداً لمن کره ذلک حجة من کتاب ولاسنة یجب التسلیم لمثلها قاله الزرقانی وفی شرح المنهاج یسن الاکثار منها لاسیما فی رمضان** ۔

جمہور علماء نے اور بہت سے مالکی علماء نے تکرار عمرہ کو بلا کراہت جائز قرار دیا ہے، کیونکہ حدیث ''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیان کے لئے کفارہ ہے'' علامہ ابن عبد البر مالکی نے تو یہاں تک ارشاد فرمادیا ہے کہ جس نے اس تکرار عمرہ کو مکروہ قرار دیا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ اس کے پاس کتاب وسنت کی کوئی ایسی دلیل ہے، جو واجب التسلیم ہو، اسے زرقانی نے لکھا ہے، اور شرح منہاج میں ہے کہ عمرہ بکثرت کرنا سنت ہے، خصوصاً رمضان شریف میں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بار بار عمرہ کرنے کو جو لوگ غلط یا بدعت کہتے ہیں، ان کے پاس واجب التسلیم کوئی دلیل تو کیا ہوتی، وہ ایک بڑے خیر سے مانع بن رہے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسائل میں لوگوں کی جرأت کس قدر بڑھ گئی ہے کہ نہ خود نیکی کریں، اور نہ دوسروں کو کرنے دیں، کہتے ہیں کہ یہاں زیادہ سے زیادہ طواف کرنا چاہئے، ہاں بے شک طواف زیادہ سے زیادہ کرنا چاہئے مگر عمرہ جو ایک مستقل عبادت ہے، جسے حدیث میں چھوٹا حج کہا گیا ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے، اور وہ طواف کی کثرت سے مانع بھی نہیں بنتا، وہ گناہ اور بدعت کیوں ہوگیا؟

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ نبی ﷺ نے سال بسال ہی عمرہ کیا ہے، ایک سال میں کئی مرتبہ نہیں کیا ہے، اس لئے ایک سال میں مکرر نہیں کرنا چاہئے، حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

استحباب کا ہونا، آپ کے کرنے پر منحصر نہیں ہے، آپ تو بعض اوقات کسی عمل کو اس لئے چھوڑ دیتے تھے کہ امت مشقت میں نہ پڑ جائے، عمرہ کی تکرار آپ کے ارشادات سے بغیر کسی قید کے ثابت ہے، اسی لئے اس پر سب کا اتفاق ہے، کہ تمام ایام میں عمرہ جائز ہے، بشرطیکہ وہ حج کے مناسک میں مشغول نہ ہو، البتہ حنفیہ کے نزدیک یوم عرفہ، یوم نحر اور

ایام تشریق میں عمرہ مکروہ ہے۔ (فتح الباری، ج: ۳، ص: ٤٧٩)

علامہ ابن تیمیہ نے البتہ مکہ میں رہ کر تکرار عمرہ کی، بلکہ خود مکہ سے عمرہ کرنے کی شدومد سے مخالفت کی ہے، اور اس سلسلے میں فتاویٰ ابن تیمیہ میں ان کی بہت تند و تیز تحریر ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ تحریر تناقضات سے لبریز ہے، اور دعویٰ ہی دعویٰ ہے، اور دلیل کے نام پر انھوں نے جو چیزیں پیش کی ہیں، ان کا تعلق دعوؤں سے کچھ نہیں ہے، وہ صرف خیالات ہیں، افسوس ہوتا ہے کہ اتنا بڑا عالم اتنی ہلکی باتیں کیونکر لکھتا ہے، اللہ تعالیٰ زلۃ العالم سے محفوظ رکھیں۔

ہماری بحث یہاں تک بقدر ضرورت مکمل ہوگئی ہے، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اس موضوع پر محدث الہند علامہ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی علیہ الرحمہ کی عبارت بھی نقل کردیں۔ مولانا کا ایک مختصر سا رسالہ بنام ''رہبر حجاج'' ہے، باوجود اختصار کے بہت قیمتی ابحاث پر مشتمل ہے، اس میں مولانا فرماتے ہیں کہ:

(۱) ''جس نے تمتع کے ارادہ سے عمرہ کا احرام باندھا، وہ عمرہ سے فارغ ہوکر زمانۂ قیام مکہ مکرمہ میں حج سے پہلے مزید عمرے کرسکتا ہے، ملا علی نے المسلک المتقسط ص: ۱۹۳ میں اور علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں، نہایہ، مبسوط، بحر الرائق اور علامہ قاسم وغیرہم کے حوالے سے اس کے جواز کی تصریح کی ہے، اور صاحب ارشاد الساری نے جاہل معلموں پر سخت اعتراض کیا ہے، جو پردیسی حاجیوں کو اس بڑے ثواب سے روک کر ان کی محرومی کا سبب بنتے ہیں۔

(۲) بعض لوگ میقات سے عمرہ کے سوا، تنعیم وغیرہ سے عمرہ کرنے کو منع کرتے ہیں، اور اس باب میں بیجا تشدد سے کام لیتے ہیں، اس مقدس سرزمین میں، اور اس موقع پر اس قسم کے مسائل میں الجھنا الجھانا دین کی کوئی خدمت نہیں بلکہ بدمزگی اور باہم

کشیدگی پیدا کرنا ہے۔

پھر متعدد دلائل تحریر کرنے کے بعد (ان دلائل کا تذکرہ ہمارے مضمون میں آچکا ہے) تحریر فرماتے ہیں:

"مختصر یہ ہے کہ امام مالک کے سوا کوئی دوسرا زیادہ عمرہ کرنے کو منع نہیں کرتا، ان کا مذہب یہ ہے کہ سال میں ایک عمرہ ہونا چاہئے، دوسرا کوئی امام یہ پابندی نہیں لگاتا، امام احمد رحمہ اللہ بھی کئی عمروں کے کرنے سے منع نہیں کرتے، زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کے بعد دس دن تک نہ کرے تاکہ بال جم جائیں اور سر منڈا سکے، یعنی اس پابندی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ عمرہ آفاقی کو میقات ہی سے کرنا چاہئے۔

فتح الباری میں ابن سیرین کی مرسل روایت ہے کہ ہم کو یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں کے لئے تنعیم میقات قرار دیا ہے، اور بطریق عطاء بھی یہی منقول ہے کہ جس کو عمرہ کرنا ہو اور وہ مکہ کا ہو خواہ دوسری جگہ کا تو وہ تنعیم یا جعرانہ جاکر احرام باندھے، اور سب سے افضل یہ ہے کہ حج کی کسی میقات سے عمرہ کا احرام باندھے۔

ان باتوں کے پیش نظر اگر کوئی تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھتا ہے تو اس پر ہرگز نکیر نہ کرنی چاہئے۔ دوسری بات بھی نہ ہوتی تو تنہا رسول اللہ ﷺ کی اجازت کہ حضرت عائشہؓ کو تنعیم سے عمرہ کرالاؤ، اس بات کے لئے کافی تھا کہ اس پر کم از کم اعتراض نہ کیا جائے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایک مختصر جملہ میں منکرین کا بہت معقول جواب دیا ہے کہ:

وبعد أن فعلت عائشة بامره دل علىٰ مشروعيته (فتح الباری ج:۳، ص:۳۹۲)

جب حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس کو کیا ہے تو یہ اس کی مشروعیت کی دلیل ہے۔

اور نواب صدیق حسن مرحوم ایضاح الحجۃ میں لکھتے ہیں کہ عمرے کا میقات حل ہے

، یعنی حرم سے باہر نکل کر احرام باندھ کر پھر مکے میں آوے۔ یہ تین جگہیں ہیں، جعرانہ، تنعیم، حدیبیہ۔ افضلیت کی بھی یہی ترتیب ہے، مگر فتاویٰ عالمگیری میں تنعیم کو افضل لکھا ہے (اس کے بعد علامہ ابن تیمیہ وعلامہ ابن القیم کے اقوال لکھ کر فرماتے ہیں) مگر میل خاطرِ شوکانی طرف مذہب جمہور کے ہے، میرے نزدیک بھی یہ بات ہے کہ جو امر معتمر پر آسان ہو وہ کرے۔ اس تانتے میں کہیں یہ نہ ہو کہ بالکل عمرہ بجالانے سے محروم رہ جاوے، بشرط امن راہ وحصولِ رفقہ تنعیم تک جاوے، کیا ڈر ہے، ورنہ مکے ہی سے احرام باندھ کر معتمر ہو جاوے۔ (ایضاح الحجۃ، ص:۴۴)

نواب صاحب کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن القیم وغیرہ کا منشا یہ نہیں ہے کہ جو بیرونی حاجی مکہ میں بانتظار حج مقیم ہے وہ عمرہ بالکل نہ کرے، بلکہ ان کا صرف یہ منشا ہے کہ تنعیم کے بجائے مکہ ہی سے احرام باندھ کر عمرہ کرے۔

نواب صاحب چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں: رہا عمرہ سو سارے برس جائز ہے، گو رسول خدا ﷺ نے عمر بھر میں تین ہی عمرے کئے ہیں، دو ذیقعدہ میں، ایک شوال میں۔ اس سے فضیلت عمرے کی اشہر حج میں ثابت ہوئی، اگرچہ کرنا عمرے کا سال تمام بلا کلام درست ہے، جب چاہے کرے، جتنے چاہے بجالائے کوئی مانع نہیں ہے۔ **ومن زاد زاد الله فی حسناته**، عمرۂ رمضان کو حدیث شریف میں برابر حج کے قرار دیا ہے (ایضاً)

اور طراز الخمرہ میں فرماتے ہیں: آفاقی عمرے کا احرام میقات سے باندھے، جو کوئی مکے میں ہے وہ نزدیک جمہور کے زمین حل کو نکل جاوے، نزدیک حنابلہ وبعض اہل حدیث کے مکے میں اپنے گھر سے احرام باندھ لے، پھر حل سے آ کر، یا گھر سے باہر نکل کر طواف وسعی کرے، سر منڈائے یا بال کتروائے، یہ عمرہ ہوا۔ یہ سارے برس مشروع ہے جب چاہے کرے، یہ حج کا چھوٹا بھائی ہے۔ (طراز الخمرہ، ص:۵۸، مصنفہ نواب مرحوم)

یہ تو زمانۂ قیام مکہ میں بار بار عمرہ کرنے کے جواز بلکہ موجب ثواب ہونے کی بات تھی، اور اس کا بیان تھا کہ وہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، اب اسی کے ساتھ دوسری بات بھی سنئے کہ جتنا وقت تنعیم سے عمرہ کرنے میں صرف ہوتا ہے اتنی دیر بیکار رہنے سے تو بیشک عمرہ کرنا ہی افضل ہے، لیکن اگر وقت اس کے بجائے طواف کرنے میں صرف کرے تو عمرہ کرنے سے طواف کرنا افضل ہے۔ محبّ الدین طبری لکھتے ہیں: **لا ندعی کراهة تکرارها بل نقول انها عبادة کثیرة الفضل عظیمة الخطر، لکن الاشتغال بتکرار الطواف فی مثل مدتها افضل من الاشتغال بها** ۔ (القری ص: ۲۹۹) ہم بار بار عمرہ کرنے کی کراہت کا دعویٰ نہیں کرتے، بلکہ کہتے ہیں کہ وہ بہت فضیلت والی اور بڑی اہمیت والی عبادت ہے، لیکن اتنے وقت تک بار بار طواف کرنا اس سے افضل ہے۔

اور غنیۃ الناسک مصنفہ صاحبزادہ مولانا محمد حسن تلمیذ حضرت گنگوہی قدس سرہما میں ہے: **وإکثار الطواف أفضل من إکثار الاعتمار**، (غنیۃ الناسک، ص: ۱۰۷) یعنی زیادہ طواف کرنا زیادہ عمرے کرنے سے افضل ہے۔ (رہبر حجاج، ص: ۳۵ تا ۳۹)

☆☆☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

رمی جمرات کا وقت

قال جابر رمى النبى ﷺ يوم النحر ضحىً ورمىٰ بعد ذٰلک بعد الزوال (بخاری شریف: باب رمی الجمار) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یوم نحر میں حضرت نے چاشت کے وقت رمی کی تھی،، اور اس کے بعد، زوال کے بعد رمی کی۔

(۶) رمی جمرات کا وقت

رمی جمرات کا مسئلہ ہر زمانے میں اہم رہا ہے، تین جمرات ہیں، جن کے درمیان فاصلہ اچھا خاصا ہے، لیکن ہر جمرہ کی جگہ محدود ہے، اور حاجیوں کا جم غفیر ہوتا ہے، اس جم غفیر میں ہر شخص کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد اس فریضہ سے سبکدوش ہو جائے، اور وقت اس کا متعین ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے امور درپیش ہوتے ہیں، اس لئے جلدی کی کوشش بیجا بھی نہیں ہوتی، ہجوم کی وجہ سے دقتیں ہر دور میں رہی ہیں، اور حکومتوں کی انتظامیہ نے ان دقتوں کو دور کرنے کی کوششیں بھی کی ہیں، لیکن آدھی صدی سے دنیا میں دولت کی جو بہتات ہوئی ہے، اور اس کے نتیجہ میں آمد و رفت کی نت نئی سہولیات حاصل ہوئی ہیں، تو سارے عالم سے مسلمانوں کا اتنا بڑا مجمع وہاں پہونچتا ہے کہ پہلے اس کا اندازہ بھی نہیں ہوسکتا تھا، اس ہجوم کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے، موجودہ سعودی حکومت نے اپنے وسائل فراواں سے نہایت فیاضی سے کام لیا اور ان مشکلات پر بڑی حد تک قابو پالیا ہے، اب جمرات کی جگہ کو اتنا وسیع بنادیا ہے کہ بڑے سے بڑا مجمع بڑی آسانی سے اپنا فریضہ ادا کرلے، اور کم سے کم وقت کا سامنا ہو، آنے اور جانے کے راستے الگ کردئے، اور راستے بھی اتنے وسیع وعریض اور کشادہ کہ لاکھوں کا مجمع بہت آسانی سے گزر جائے، اس کے علاوہ جمرات کو کئی منزلوں میں تقسیم کرنے کا منصوبہ ہے، جس پر اچھا خاصا عمل درآمد ہو بھی چکا ہے۔

پچھلے دنوں جب دفعۃً حاجیوں کا ہجوم بڑھا تھا، اور ابھی جمرات کی نئی توسیع نہیں ہوئی تھی، اور ہر سال جمرات میں حادثہ ہونے کا امکان رہتا تھا، اور جمرات تک آنے والی سڑکوں پر لوگوں کا مجمع بستر اور چٹائی ڈالے مقیم رہتا تھا، اور آنے جانے میں بہت دقت تھی، تو حاجیوں کے رہائشی مکانات میں معلموں کی طرف سے ہدایات کے اعلان میں یہ بھی لکھا جانے لگا کہ رمی چوبیس گھنٹے میں جب چاہیں کر سکتے ہیں، آسانی کی ایک شکل یہ نکالی گئی، چنانچہ بعض حجاج نے اس پر عمل بھی شروع کر دیا، جہالت کے غلبہ نے اس میں آسانی کی راہ دکھائی، اور لوگ اس کی طرف نکل پڑے، ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سے حج کی تربیت حاصل کر کے جو حجاج پہونچتے ہیں، انھیں اپنے مسلک کے خلاف یہ بات معلوم ہوئی، تو انھوں نے اس موضوع پر اپنے یہاں کے علماء سے سوالات کی یلغار کر دی، بعض لوگ تو صرف مسئلہ بتا دینے سے مطمئن ہو جاتے ہیں، اور بعض اپنی تسلی اور اطمینان کیلئے دلائل بھی چاہتے ہیں، ورنہ ان کے اَذہان وقلوب شکوک وشبہات کے آشیانے بنے رہتے ہیں۔

یہاں ہم اس مسئلے کی بقدر ضرورت تفصیل لکھتے ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری سال میں عام اعلان کر دیا تھا کہ **خذوا عنی مناسککم**، حج کے مناسک مجھ سے سیکھ لو، اور اسی لئے اس حج میں آپ سے سوالات کرنے کا دروازہ کھول دیا گیا تھا، ورنہ پہلے سوال کی کثرت ممنوع تھی، مگر اس حج میں آپ سے اتنے سوالات کئے گئے کہ شاید ساری زندگی کے سوالات کے برابر ہوں۔

تو معیار یہی حجۃ الوداع ہے، اس حج میں رمی جمرات کا جو تذکرہ ملتا ہے، اسے ہم نقل کرتے ہیں۔

رمی کتنے دن ہے؟

رمی جمرات کے لئے چار دن متعین ہیں۔ ١٠ر ذی الحجہ (یوم نحر) صرف جمرۂ عقبہ

کی رمی کرنی ہے، ۱۱رذی الحجہ (تشریق کا پہلا دن) آج پہلے اور دوسرے اور تیسرے تینوں جمرات کی بالترتیب رمی کرنی ہے، ۱۲رذی الحجہ (تشریق کا دوسرا دن) آج بھی تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے۔ ان تینوں دن رمی کرنا واجب ہے۔

۱۳رذی الحجہ (تشریق کا تیسرا دن) آج کی رمی اختیاری ہے، اگر ۱۲رتاریخ کو منیٰ سے واپسی نہیں ہوئی، اور ۱۳رکی صبح صادق طلوع ہوگئی تو آج کی رمی واجب ہو جائے گی، تینوں کی رمی کرنی ہوگی، ترتیب سابق کے مطابق۔

رمی کا پہلا دن (یوم نحر)

آج کی رمی کا وقت صبح صادق ہو جانے کے بعد ہے۔

عن عطاء قال أخبرني ابن عباس رضى الله عنهما أن رسول الله ﷺ قال للعباس ليلة المزدلفة: إذهب بضعفائنا ونسائنا فليصلوا الصبح بمنىٰ وليرموا جمرة العقبة قبل أن يصيبهم دفعة الناس (شرح معانی الآثار للطحاوی)

حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں حضرت عباس ؓ سے فرمایا کہ ہمارے ضعیفوں اور عورتوں کو پہنچائیے، یہ سب منیٰ میں فجر کی نماز پڑھیں، اور لوگوں کے ہجوم سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کر کے فارغ ہو جائیں۔

امام طحاوی لکھتے ہیں کہ حضرت عطاء بھی بڑھاپے میں ضعف کی وجہ سے یہی طریقہ اختیار کرتے تھے، اس حدیث سے واضح ہے کہ صبح صادق ہونے کے بعد رمی کا وقت ہو جاتا ہے۔

امام طحاوی نے دو روایتیں اور نقل کی ہیں، اور یہ دونوں روایتیں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی منقول ہیں، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: **أن النبي ﷺ**

كان يامر نساءه وثقله صبيحة جمع أن يفيضوا مع اول الفجر بسواد ولا يرموا الجمرة إلا مصبحين۔ نبی ﷺ مزدلفہ کی صبح اپنی مستورات اور ضعفاء کو حکم دیتے تھے کہ صبح صادق ہوتے ہیں منہ اندھیرے منیٰ نکل جائیں، اور اجالا ہوجائے تو رمی کریں۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: **لاترموا الجمار حتیٰ تصبحوا۔** کنکریاں اس وقت تک نہ مارو جب تک اجالا نہ ہوجائے۔

ان سب روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ صبح صادق ہوجانے کے بعد رمی کا وقت ہوجاتا ہے، مگر اندھیرے میں رمی نہیں کرنی چاہئے، کچھ اجالا ہوجائے تب کرنی چاہئے، اور یہ حکم ضعفاء اور معذوروں کے لئے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عام لوگوں کے لئے یہ وقت بہتر نہیں ہے، کیونکہ یہ وقت وقوف مزدلفہ کا ہے۔

آج کی رمی کا بہتر وقت سورج طلوع ہونے کے بعد سے زوال تک ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ر ذی الحجہ کو چاشت کے وقت رمی کی تھی، **قال جابر رمی النبی ﷺ یوم النحر ضحیً** (بخاری شریف: باب رمی الجمار) حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ یوم نحر میں حضرت نے چاشت کے وقت رمی کی تھی، **ورمیٰ بعد ذٰلک بعد الزوال**، اور اس کے بعد، زوال کے بعد رمی کی۔

۱۲/۱۱ر ذی الحجہ کو رمی کا وقت:

یوم نحر کی رمی کا وقت طلوع فجر یا طلوع شمس کے بعد شروع ہوجاتا ہے، لیکن اس کے بعد ۱۱ر اور ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی کا وقت کب ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں حضرت جابر ؓ کا ارشاد ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ﷺ نے زوال کے بعد رمی کی ہے، اس پر تمام روایات متفق ہیں، کسی روایت سے اس کے خلاف ثابت نہیں ہے، چنانچہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے کسی نے سوال کیا کہ میں رمی جمرات کب کروں؟

فرمایا جب تمہارا امام رمی کرے، اس نے پھر سوال دہرایا، تو آپ نے فرمایا کہ ہم زوال شمس کا انتظار کرتے رہتے تھے، جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے۔ (ابوداؤد: باب رمی الجمار)

بہر حال تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ ۱۱/ اور ۱۲/ کو رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، رسول اکرم ﷺ کا عمل یہی ہے، اور صحابۂ کرام کا عمل بھی یہی رہا ہے، اور چاروں ائمہ اس پر متفق ہیں کہ ان ان دنوں میں زوال شمس کے بعد ہی رمی کی جائے گی۔

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ۱۰/ ذی الحجہ کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر تھے، اور اسی پر سے رمی فرمائی، اور یہ بھی ارشاد فرما رہے تھے: **لتاخذوا مناسککم فانی لاأدری لعلی لاأحج بعد حجتی هٰذه** (حوالۂ سابق) اے لوگو! حج کے مناسک مجھ سے سیکھ لو، فرمایا کہ میں نہیں جانتا، شاید میں اپنے اس حج کے بعد حج نہ کرسکوں۔

جب اتنی تاکید سے آپ نے حج سکھایا ہے، اور صحابہ نے سیکھا ہے، اور سب کا اس پر اجماع ہے کہ ۱۱/ اور ۱۲/ کو رمی زوال کے بعد ہے، تو کسی کو کیا حق ہے کہ سارے دن رمی کی اجازت دے۔

احناف کی کتابوں میں امام ابوحنیفہ سے ایک ضعیف سی روایت ہے کہ ان دونوں دنوں میں زوال سے پہلے رمی کی جاسکتی ہے، لیکن یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے، اور محققین حنفیہ نے اس کی تردید کی ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: **واول وقتها فی ایام التشریق یعنی القر وثانیها یعنی یوم النفر الاول بعد الزوال اجماعاً لما فی حدیث جابر وغیره ثم لم یرم النبی ﷺ حتیٰ زالت الشمس۔** (ج:۱، ص:۲۴۳) ایام تشریق کے پہلے دن جسے یوم القر کہا جاتا ہے، اور دوسرے دن جسے یوم نفر

اول کہا جاتا ہے، کی رمی کا اول وقت بالا جماع زوال کے بعد ہے، جیسا کہ حضرت جابر وغیرہ کی حدیث میں ہے، پھر یہ کہ نبی ﷺ نے ان دونوں دنوں میں زوال کے بعد ہی رمی کی ہے، پہلے نہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ۱۱؍اور ۱۲؍ کو زوال سے پہلے رمی کی گنجائش نہیں ہے اور نہ وہ معتبر ہے، اور اس پر تمام ائمہ کا اجماع ہے، اور کوئی روایت اور کوئی حدیث اس کے خلاف نہیں ملتی، پھر تعجب ہے کہ مکہ مکرمہ میں معلمین کی جانب سے یہ جسارت کیونکر ہوتی ہے، کہ ہمہ وقت رمی کی جا سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

النفر الاول۔ ١٢/ ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ مکرمہ جانا

قال اللہ تعالیٰ:

وَاذْكُرُوا اللهَ فِیْ أَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى، اور اللہ نام لو گنتی کے چند ایام میں، پھر جو کوئی دو دن میں جانا چاہے، اس پر کچھ گناہ نہیں، اور جو اس کے بعد جانا چاہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرے۔

(۷) النفر الاول۔ ۱۲؍ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ مکرمہ جانا

حج کے اجتماع عام میں جن مسائل میں حاجیوں کے درمیان کشمکش ہوتی ہے، ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ۱۲؍ذی الحجہ کو اگر کوئی شخص رمی جمرات کے بعد مکہ مکرمہ جانا چاہے، تو وہ کب تک جا سکتا ہے؟ اور کب اسے جانا مکروہ ہے؟ اور کب اسے منیٰ سے نکلنا درست نہیں ہے؟

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں مناسک حج کی تعلیم کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ، اور اللہ نام لو گنتی کے چند ایام میں، پھر جو کوئی دو دن میں جانا چاہے، اس پر کچھ گناہ نہیں، اور جو اس کے بعد جانا چاہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرے۔

گنتی کے چند دن سے مراد ایام تشریق ہیں، تشریق کے معنی دھوپ میں ڈالنے کے ہیں، ۱۰؍یوم نحر ہے، اس دن قربانی ہوتی تھی، پھر اس کے گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پتھر پر دھوپ میں ڈال دیتے تھے، وہ سوکھ کر اس لائق ہو جاتے تھے کہ انھیں بہت دنوں تک استعمال کیا جائے۔ یہ عمل ۱۱؍ذی الحجہ سے شروع ہو کر ۱۳؍ذی الحجہ تک ہوتا تھا، ۱۳؍کی شام تک یہ کام مکمل ہو جاتا، اور گوشت کو ذخیرہ بنا لیا جاتا۔ (کتاب الایضاح للنووی، ص: ۳۵۷)

یہ تین دن ہیں، جو ایام تشریق کہلاتے ہیں، پہلا دن یعنی ۱۱؍ذی الحجہ یوم القرّ ہے

کیونکہ اس روز دن بھر منیٰ میں ہی قرار پکڑنا ہے، دوسرا دن یعنی ۱۲ر ذی الحجہ "یوم النفر الاول" ہے یعنی روانگی کا پہلا دن، تیسرا دن یعنی ۱۳ر ذی الحجہ "یوم النفر الاخیر" ہے، یعنی روانگی کا آخری دن! اللہ نے حجاج کو اجازت دی ہے کہ جانا چاہیں تو منیٰ سے ۱۲ر کو جاسکتے ہیں، اور ٹھہرنا چاہیں تو ۱۳ر کی رمی کر کے جائیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ۱۲ر کو کب نکلیں، یہ تو متعین ہے کہ ۱۲ر کو رمی کر کے ہی نکلنے کی اجازت ہے، اور رمی زوال کے بعد ہوتی ہے، بس زوال کے بعد رمی کر کے غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے رخصت ہو جائیں، یہ بہتر ہے، اور اس پر سب ائمہ اور علماء کا اتفاق ہے۔

غروب آفتاب کے بعد منیٰ سے نکلنا:

لیکن اگر حاجی غروب سے پہلے منیٰ سے نہ نکل سکا، اور منیٰ ہی میں آفتاب غروب ہو گیا، تو اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ اب اسے رات منیٰ میں ہی گزارنی ہے، اور ۱۳ر ذی الحجہ کو بعد زوال رمی کرنی ہے، پھر جائے، گویا منیٰ میں سورج غروب ہو گیا، تو اب "نفر اول" کا موقع ختم ہو گیا، اور "نفر اخیر" خود بخود لازم ہو گیا۔

مگر امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا جواب یہ ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد "نفر اول" کا وقت ختم نہیں ہوا ہے، رات میں وہ جاسکتا ہے، اور یہ وقت صبح صادق تک رہتا ہے، صبح صادق اگر ہوئی تو رمی کا دن آگیا، اب رمی کر کے ہی جائے۔

اس اختلاف کی بنیاد کیا ہے؟ اگر اسے سمجھ لیا جائے، تو معاملہ آسان ہے۔ اس مسئلہ کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے بہت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، ہم اس کا حاصل یہاں درج کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"منیٰ میں ایام تشریق میں رہنا، وہیں راتیں گزارنیں، اور رمی کرنا، یہ تینوں

چیزیں ارکان حج میں نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْأَشَدَّ ذِكْراً** ۔ پس جب مناسک حج ادا کر چکو، تو اللہ کو یاد کرو، جیسا کہ تم اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے تھے، یا اس سے بھی زیادہ!

حج کے ارکان احرام، وقوف عرفہ اور طواف زیارت تو بالاجماع ہیں، اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک صفا ومروہ کی سعی اور حلق (سر منڈوانا) بھی ارکان میں شامل ہے، ان سب سے فارغ ہوکر یعنی ۱۰؍ ذی الحجہ کے اعمال سے فارغ ہوکر اللہ کا ذکر کرو، اسلام کے آنے سے پہلے اہل عرب جب حج سے فارغ ہوجاتے تو منیٰ میں جمع ہوکر مشاعرے کرتے، اپنے آباء واجداد کے مناقب ومفاخر بیان کرتے، اللہ نے حکم دیا کہ ان دنوں میں منیٰ کے اندر اللہ کو یاد کرو، اس کی بڑائی بیان کرو، رمی جمرات بھی اللہ کو یاد کرنے ہی کے لئے ہے، غرض ایام التشریق کا یہ عمل حج کے ارکان میں نہیں ہے۔

ان ایام میں کرنے کے دو کام ہیں، دن کو رمی جمرات، اور رات کو منیٰ میں قیام، ان دونوں عملوں کی حیثیت کیا ہے؟

(۱) امام احمد علیہ الرحمہ کے نزدیک رات کا قیام بھی واجب اور رمی جمرات بھی واجب

(۲) امام امالک علیہ الرحمہ کے نزدیک رات کا قیام (مبیت) واجب اور رمی سنت۔

(۳) امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک رات کا قیام سنت اور رمی واجب، امام احمدؒ کا ایک قول یہ بھی ہے۔

(۴) امام شافعی علیہ الرحمہ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ مبیت اور رمی دونوں واجب، اور دوسرا یہ کہ مبیت سنت اور رمی واجب۔

امام ابوحنیفہ کے علاوہ تینوں ائمہ کے نزدیک چونکہ مبیت واجب ہے، اس لئے اگر منیٰ میں سورج غروب ہوگیا تو مبیت یعنی رات کا قیام واجب ہوگیا، اس لئے اب منیٰ

سے نکلنے کی گنجائش نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک چونکہ مبیت واجب نہیں ہے، اس لئے سورج ڈوبنے کے بعد مبیت کا وجوب نہیں ہوا، اور ابھی کل کی رمی کا وقت آیا نہیں ہے، کہ وہ دن ہے، اس لئے رات میں منیٰ سے نکلنا درست ہے، البتہ ایک سنت فوت ہو رہی ہے، اس لئے کراہت ہوگی۔ (تفسیر مظہری، ج:۱، ص:۲۴۱)

پس اگر کوئی حنفی کہے کہ غروب آفتاب کے بعد منیٰ سے ۱۲؍ ذی الحجہ کو کوچ کرنا درست ہے، تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

غور کرنے کی ایک بات:

اس مسئلے پر غور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے، ایام حج جو کہ پانچ ہیں، ان میں اور سال کے باقی روز وشب میں شریعت نے فرق کیا ہے، پورے سال کے روز وشب پر غور کیجئے، تو آپ دیکھیں گے کہ قمری حساب کی تاریخ میں رات پہلے ہوتی ہے، دن بعد میں، گویا دن تابع ہوتا ہے رات کے، رمضان کا چاند دیکھا گیا تو رات ہی سے رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا، اسی رات میں تراویح باجماعت مسنون ہے، عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کرنا ہوا تو ۲۰؍ کا دن گزرا تو سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی ۲۱؍ تاریخ شروع ہوگئی، اسی وقت اعتکاف کے لئے مسجد میں موجود ہونا ضروری ہے، ۲۹؍ رمضان کو چاند طلوع ہوگیا، تو غروب آفتاب کے ساتھ یکم شوال شروع ہوگئی۔

اس کے برخلاف حج کے ایام میں دن پہلے ہے، اور رات بعد میں، یعنی ان دنوں میں رات دن کے تابع ہے، مکہ شریف سے منیٰ کی روانگی سے حج کے افعال شروع ہوتے ہیں، احرام باندھ کر ۸؍ ذی الحجہ کو طلوع شمس کے بعد منیٰ کو نکلنا ہے، یہ دن اور اس کے بعد کی رات منیٰ میں گزارنی ہے، پھر سورج طلوع ہونے کے بعد عرفات جانا ہے، زوال آفتاب

سے وقوف عرفہ شروع ہوتا ہے، یہی یوم عرفہ ہے، یہ یوم رات گزرنے اور صبح صادق ہونے تک رہتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان کروایا تھا کہ **الحج عرفة، من جاء ليلة جمع قبل طلوع الفجر فقد أدرك الحج** (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) حج عرفہ ہے، جو کوئی مزدلفہ کی رات میں طلوع فجر سے پہلے عرفات میں پہونچ گیا، اس نے حج کو پالیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عرفہ کا دن رات کو طلوع فجر تک باقی رہتا ہے، جب یہ ختم ہوتا ہے، تب وقوف مزدلفہ کا وقت شروع ہوتا ہے، اور وہ ۱۰/ ذی الحجہ کو صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے، پھر طلوع آفتاب سے منیٰ کا وقت شروع ہوجاتا ہے، دن میں جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی ہے، اگر کسی وجہ سے دن میں نہ کرسکا تو آنے والی رات میں کرلے، بالاجماع ادا ہی ہوگی، اور رسول اللہ ﷺ نے چرواہوں کو دن والی رمی رات میں کرنے کی اجازت دی ہے۔ (موطا امام مالک، باب الرخصۃ فی رمی الجمار)

بہرحال ۱۲/ ذی الحجہ تک یہی حال ہے کہ رات تابع ہے، اس سے پہلے والا دن اصل ہے۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے، تو اگر ۱۲/ ذی الحجہ کو دن میں کوئی شخص مکہ مکرمہ نہ جاسکا، تو اسے رات میں جانے کی گنجائش ہے، کیونکہ ابھی شرعاً تاریخ ۱۲/ ہی ہے اور **فمن تعجل في يومين** کے حکم میں وہ داخل ہے، البتہ مبیت کا حکم شروع ہوچکا تھا اس کی وجہ سے قدرے کراہت آئے گی۔ لیکن معلوم ہے، موجودہ وقت میں ہجوم کی زیادتی کی وجہ سے منیٰ سے رخصت ہونا، اب اپنے اختیار میں نہیں رہا، سواری وغیرہ اور روانگی کے انتظامات میں اتنی دشواری ہوتی ہے، کہ آدمی مجبور ہوکر رہ جاتا ہے، اور حج میں اتنی دشواری کے بعد کراہت کا حکم بھی ختم ہوجاتا ہے، اس کی متعدد نظیریں احادیث میں موجود ہیں۔

دیکھئے کی بھیڑ بھاڑ سے بچانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے کمزوروں اور عورتوں کو وقوف مزدلفہ کے وقت سے پہلے ہی منیٰ بھیج دیا تھا، چرواہوں کے لئے مبیت منیٰ سے رخصت دے دی تھی بلکہ انھیں تو ایک دن ناغہ کر کے رمی کی اجازت مل گئی تھی۔ (موطا امام مالک، باب الرخصۃ فی رمی الجمار/ والسنن الاربعۃ)

بہرحال بہت سی مجبوریاں اور معذوریاں حالات نے پیدا کر رکھی ہیں، جن کی وجہ سے سہولت کی راہوں کی اجازت دینی پڑتی ہے، اور یہ اجازت بے دلیل نہیں ہے، شریعت میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

تصانیف حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

(۱) **تسہیل الجلالین** ’’شرح اردو جلالین شریف‘‘ (جلد اول)

(سورہ بقرہ تا سورہ نساء، سوا پانچ پارے)، صفحات:648 قیمت:400

(۲) **حدیث دوستاں**

دینی واصلاحی اور علمی وادبی مکاتیب کا مجموعہ، صفحات:730 قیمت:350

(۳) **حدیث دردِ دل**

مجلّہ المآثر، الاسلام، اور ضیاء الاسلام کے اداریئے صفحات:592 قیمت:300

(۴) **کھوئے ہوؤں کی جستجو**

مختلف شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ، صفحات:616 قیمت:200

(۵) **حیاتِ مصلح الامت**

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی کی مفصل سوانح صفحات:528 قیمت:150

(۶) **مدارسِ اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں** (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

مدارس سے متعلق مضامین کا مجموعہ، صفحات:312 قیمت:150

(۷) **بطوافِ کعبہ رفتم** ـــ (سفرنامۂ حج) (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

حرمین شریفین (مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ) کے سفر کی روداد، صفحات:464 قیمت:300

(۸) **تہجد گزار بندے** (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

تہجد کی اہمیت وفضیلت اور تہجد گزار بندوں کا تفصیلی تذکرہ، صفحات:472 قیمت300

(۹) ذکرِ جامی

ترجمان مصلح الامت مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حالاتِ زندگی، صفحات: 216 قیمت: 90

(۱۰) حضرت چاندشاہ صاحب اور ان کا خانوادۂ تصوف

حضرت چاندشاہ صاحب ٹانڈوی اور ان کے خلفاء کے حالات، صفحات: 180 قیمت: 70

(۱۱) تذکرہ شیخ ہالیجویؒ: سندھ کے معروف شیخ طریقت وعالم اور مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی کا مفصل تذکرہ۔ صفحات: 224، قیمت: 56

(۱۲) مودودی صاحب اپنے افکار ونظریات کے آئینہ میں

مولانا بنوریؒ کی عربی کتاب الاستاذ المودودی کا ترجمہ۔ صفحات: 184، قیمت: 95

(۱۳) حکایتِ ہستی (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

خودنوشت سوانح، ابتداء حیات سے اختتام طالب علمی تک۔ صفحات: 400، قیمت: 250

(۱۴) **کثرتِ عبادت** عزیمت یا بدعت؟ قیمت ۲۸؍ روپے

(۱۵) **قتل ناحق** قرآن وحدیث کی روشنی میں قیمت ۱۶؍ روپے

(۱۶) تعویذات وعملیات کی حقیقت وشرعی حیثیت قیمت ۲۰؍ روپے

(۱۷) شب برأت کی شرعی حیثیت قیمت ۴۰؍ روپے

(۱۸) اخلاق العلماء علماء کیلئے خاص چیز قیمت ۲۰؍ روپے

(۱۹) دینداری کے دو دشمن حرصِ مال وحب جاہ قیمت ۴۰؍ روپے

(۲۰) فتنوں کی طغیانی ٹی۔وی پر ایک فکر انگیز تحریر! قیمت ۱۵؍ روپے

(۲۱) اہل حق اور اہل باطل کی شناخت قیمت ۶۰؍ روپے

(۲۲) مالی معاملات کی کمزوریاں اور انکی اصلاح قیمت ۴۰؍ روپے

(۲۳) منصب تدریس اور حضرات مدرسین	قیمت ۴۵/روپے
(۲۴) حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح	قیمت ۳۵/روپے
(۲۵) برکات زمزم ماءِ زمزم کی فضیلت واہمیت کا بیان	قیمت ۲۵/روپے
(۲۶) تصوف ایک تعارف!	قیمت ۸۰/روپے
(۲۷) خواب کی شرعی حیثیت	قیمت ۴۰/روپے
(۲۸) تکبر اور اس کا انجام	قیمت ۳۰/روپے
(۲۹) مسئلۂ ایصالِ ثواب	قیمت ۶۰/روپے
(۳۰) مروجہ جلسے بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح	قیمت ۳۰/روپے
(۳۱) رمضان المبارک: نیکیوں کا موسم بہار	قیمت ۴۰/روپے
(۳۲) علوم ونکات: (مجموعۂ مضامین) جلد اوّل، دوم	قیمت ۱۰۰۰/روپے
(۳۳) نمونے کے انسان	قیمت ۲۵۰/روپے

اسٹاکسٹ

مکتبہ ضیاء الکتب اتراری، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
PIN:276403 MOB:9235327576

دیوبند میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ
کتب خانہ نعیمیہ، جامع مسجد دیوبند (01336223294)

دہلی میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ
فرید بک ڈپو، پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی ۲ (01123289786)